

خلائی ایڈونچر سیریز
۴
سیارہ اوٹان کا زمین پر حملہ
خلائی سرنگ سے فرار
اے۔ حمید

خلائی ایڈونچر سیریز چوتھا حصّہ

خلائی سرنگ سے فرار

اے حمید

نونہال ادب

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی

مجلسِ ادارت

حکیم محمد سعید

مسعود احمد برکاتی

رفیع الزّماں زبیری

ناشر : ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد سنٹر ناظم آباد، کراچی

اشاعت : ۱۹۹۱

تعداد اشاعت : ۲۰۰۰

قیمت : ۱۰ روپے

نونہال ادب کی کتابیں "نہ نفع نہ نقصان" کی بنیاد پر شائع کی جاتی ہیں۔

پیش لفظ

تلاش اور جستجو انسان کی فطرت ہے۔ قرآن حکیم میں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ اپنے چاروں طرف نگاہ ڈالو اور دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی چیزیں پیدا کی ہیں۔ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے اور سیّارے، پہاڑ اور دریا، چرند اور پرند، پھول اور پھل۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے عقل اور سمجھ عطا کی گئی ہے۔ اُسے چیزوں کو دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کی قوّت اور صلاحیت دی گئی ہے تاکہ وہ کائنات کی بے شمار چیزوں سے، جو اُسی کے لیے پیدا کی گئی ہیں، فائدہ اُٹھائے اور وہ بُلند مقام حاصل کرے جو اس کا مقدّر ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں سے کام لینے کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

علم سائنس ہے۔ بٹن دبا کر گھروں اور شہروں کو روشن کرنے سے لے کر چاند تک پہنچنے کا گُر ہمیں سائنس ہی نے سکھایا ہے۔ ایک چھوٹا سا حقیر بیج کیسا زبردست، تناور درخت بن جاتا ہے، پھولوں میں رنگ کہاں سے آتے ہیں، انسان غذا کیسے ہضم کرتا ہے، اُس کے بدن میں خُون کیسے دوڑتا ہے، بھاری بھرکم جہاز ٹنوں وزن لے کر سمندر میں ڈوبتے کیوں نہیں، دیو پیکر طیّارے ہوا میں کیسے اُڑتے چلے جاتے ہیں۔ چاند، سورج

اور سیّارے خلا میں کیسے گردش کر رہے ہیں۔ یہ سب ہم نے سائنس ہی کے ذریعہ سے جانا ہے۔ انسان سائنس ہی کے ذریعہ سے چاند پر پہنچا ہے، اُس کے بنائے ہوئے راکٹ ہمارے نظامِ شمسی کے آخری کناروں کو چھونے والے ہیں۔

اپنی دُنیا اور اپنی دُنیا سے باہر انسان کی یہ تلاش و جستجو مسلسل جاری ہے۔ سائنس کی ترقّی اُسے دم بہ دم آ گئے بڑھائے چلی جا رہی ہے۔ کل کی کہانیاں آج کی حقیقتیں بن چکی ہیں۔ سائنس فکشن انسان کی قدرت کے چھُپے ہوئے راز جاننے کی خواہش کا اظہار ہے۔ اُڑن کھٹولا ماضی کی سائنس فکشن تھا۔ آج یہ ہوائی جہاز کی شکل میں حقیقت ہے۔ جولیس ورن کی سمندر کی تہہ میں مسلسل تیرنے والی "ناٹیلس" اب ایک افسانہ نہیں ایٹمی آب روز کی شکل میں ایک زندہ حقیقت ہے۔ کون کہہ سکتا ہے آج کی سائنس فکشن کل کی حقیقت نہ بن جائے۔

جب تک انسان تلاش و جستجو کے عمل میں رہے اور علم حاصل کرتا رہے گا کہانیاں حقیقتیں بنتی رہیں گی۔

حکیم محمد سعید



آدم خوروں کے پنجے میں

عمران نے اپنے ریوالور سے تین فائر کیے تھے۔

مگر یہ تینوں فائر اندھیرے میں کیے گئے تھے اور اس ریڈ انڈین جنگلی کو ایک بھی گولی نہیں لگی تھی جس نے عمران پر حملہ کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے طاقتور جسم والے جنگلی نے عمران کو اپنی گرفت میں قابو کر لیا اور حلق سے چیخ کی آواز نکالی۔ تین چار جنگلی وہاں فوراً آ گئے۔ اُنھوں نے عمران کو

باندھا اور گھسیٹتے ہوئے اپنے جھونپڑوں کی طرف لے گئے۔ وہاں اسے ایک جھونپڑے میں بند کر دیا گیا۔ یہ سب کُچھ اتنی جلدی ہو گیا تھا کہ عمران کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ریڈ انڈین جنگلیوں کی قید میں آ گیا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے جھونپڑے کے باہر دو جنگلی چھرے لیے پہرہ دے رہے تھے۔ عمران نے آنکھیں بند کر لیں اور دِل میں اللہ سے دُعا مانگی کہ وہ اسے اِن جنگلیوں کی قید سے نجات دلائے۔ اب اسے اس کلرک کی بات یاد آ رہی تھی جس نے برازیل کے دارالحکومت میں بتایا تھا کہ برازیل کے گھنے جنگلوں میں ابھی تک ایسے وحشی قبیلے بھی رہتے ہیں جو بھولے بھٹکے مسافروں کے سر کاٹ کر اُنہیں گرم ریت میں بھون کر سکیڑ کر گیند کے برابر کر لیتے ہیں اور پھر اُنہیں اپنے گلے میں پہنتے ہیں۔

خوف کے مارے ایک بار تو عمران کا حلق خُشک ہو گیا۔ تو کیا یہ وحشی لوگ

اس کا سر کاٹ کر اسے چھوٹا کر دیں گے؟ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ حوصلہ نہیں ہارے گا۔ مایوسی کو اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دے گا اور اس جہنم سے فرار ہونے کی بھرپور کوشش کرے گا۔ مگر اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور باہر جنگلی چھرے اُٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔ اس کے باوجود عمران فرار کی ترکیبوں پر غور کرنے لگا۔

دِن نکلا تو وحشی اُسے جھونپڑے سے نکال کر درختوں کے درمیان کھُلی جگہ پر لے آئے۔ یہاں پہلے سے ایک بد نصیب آدمی درخت کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ عمران کو بھی اس کے ساتھ والے درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ جنگلی لوگ وہاں جمع ہو کر دائرے کی شکل میں بیٹھ گئے۔ درمیان میں پتھرّ جوڑ کر آگ جلا دی گئی۔ آگ کے اوپر ایک کڑاہی ڈال دی جس میں ریت پڑی تھی۔ عمران سمجھ گیا کہ اس کی موت کا وقت آ گیا ہے۔ ابھی

اس کا اور ساتھ بندھے ہوئے بد نصیب مسافر کا سر کاٹ کر ریت کی کڑاہی میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر بھی اس نے اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھے ہوئے تھے اور دِل میں اللہ کو یاد کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کا ایمان تھا کہ اگر اس کی موت کا وقت نہیں آیا تو یہ سارے وحشی مل کر بھی اس کا کُچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

اتنے میں ان جنگلیوں کا سر دار اپنے جھونپڑے سے نکل کر وہاں آیا۔ سب جنگلی سر دار کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جنگلی سر دار ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ میں ایک تلوار تھام رکھی تھی۔ سارے جنگلی اپنی اپنی جگہوں پر خاموشی سے بیٹھ گئے۔ ہر طرف ایک سنّاٹا چھا گیا۔ اچانک سر دار نے اپنا تلوار والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اپنی زبان میں کُچھ کہا۔ اس کے ساتھ ہی ایک جنگلی تلوار لے کر ان درختوں کی طرف بڑھا جہاں عمران اور

ایک دوسرا بد نصیب مسافر بندھے تھے۔ عمران ساکت آنکھوں سے جنگلی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جنگلی اس کی طرف آنے کی بجائے ساتھ والے بد نصیب کی طرف بڑھا۔ اس کے سر کے بالوں کو مضبُوطی سے پکڑ کر آگے کو کھینچا اور دوسرے ہاتھ سے تلوار کا وار کر کے اس کی گردن کاٹ دی۔ اس کا خون آلود سر جنگلی کے ہاتھ میں لٹک رہا تھا۔ سارے وحشی نعرے لگانے لگے۔ کٹا ہوا سر کڑاہی میں ڈال دیا گیا۔ ایک جنگلی کڑاہی کے پاس بیٹھ کر سر کو گرم ریت میں اِدھر اُدھر ہلانے لگا۔ اتنا ظُلم اور خونخواری عمران نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ساتھ والے درخت کے ساتھ بد نصیب مسافر کی سر کٹی لاش ابھی تک بندھی ہوئی تھی۔ عمران پر ایک عجیب سا خوف اور دہشت طاری تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کے بعد اس کا سر کاٹا جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ سردار نے عمران کی

طرف دیکھا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی زبان میں کہا۔

"تمہاری باری کل آئے گی۔ آج تمہیں یہ دکھانے کے لیے یہاں لایا گیا تھا کہ کل تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔"

پھر سردار نے اشارہ کیا اور جنگلی عمران کو درخت سے کھول کر واپس جھونپڑے میں لے گئے جہاں اس کے اردگرد چار آدمیوں کا پہرہ لگا دیا گیا۔ عمران کے ہاتھ کھُلے تھے مگر پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ عمران نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ کم از کم ایک دِن کے لیے تو اس کی جان بچ گئی۔ اب وہ فرار کی ایک آدھ کوشش کر سکتا تھا۔ اگرچہ اسے وہاں سے فرار ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ پھر بھی وہ مایوس نہیں تھا۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں تھا۔ اس کے دِل کو یقین تھا کہ اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔ چوں کہ ان خونخوار جنگلیوں کو عمران کے صحت مند سر کی ضرورت تھی

اس لیے اسے دِن میں دو تین بار جانوروں کا بھنّا ہوا گوشت اور پھل وغیرہ کھلائے گئے تاکہ عمران کو کم زوری محسوس نہ ہو۔

جُوں جُوں رات قریب آ رہی تھی عمران کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ جھونپڑی میں چراغ جل رہا تھا۔ اس کی مدہم روشنی میں عمران نے دو ایک بار ہاتھوں سے اپنے پاؤں کی رسّی کھولنے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ رسّی کو کُچھ اس طرح سے گرہیں لگائیں گئیں تھیں کہ وہ اسے کھول نہیں سکا تھا۔ کبھی کبھی اسے باہر جنگلی آدمیوں کی آپس میں باتیں کرنے کی آوازیں آ جاتی تھیں۔ کسی وقت کوئی جنگلی بھی جھونپڑے کا دروازہ کھول کر عمران کو دیکھ کر اپنی تسلّی کر لیتا تھا۔ رات گزرتی چلی جا رہی تھی۔ عمران کی کسی شے کو اِن جنگلیوں نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس کی گھڑی اس کی کلائی پر ہی بندھی ہوئی تھی۔ عمران نے وقت دیکھا۔ رات

کے گیارہ بج رہے تھے۔ عمران جھونپڑی کے درمیان میں کھڑے کھمبے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہو؟ اس کا دماغ ایک بار تو چکّر کھا گیا۔ وہاں سے بچ نکلنے کی کوئی ترکیب اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ نیند کوسوں دور تھی۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

عین اس وقت درختوں کے اس جھنڈ کے پاس ایک چٹّان کے عقب سے عمران کے دوست سانپ نے اپنا پھن اوپر اُٹھا کر اس جھونپڑے کی طرف دیکھا جس میں عمران قید کی حالت میں پڑا زندگی کی آخری گھڑیاں گِن رہا تھا۔ سانپ کو عمران کی خوشبو اس جھونپڑی سے آ رہی تھی۔ سانپ جھونپڑی کی طرف بڑھا۔ رات کے اندھیرے میں بھی اسے ہر شے صاف نظر آ رہی تھی۔ سانپ نے گھاس کے اندر چھُپ کر جھونپڑی کا

ایک چکر لگایا۔ اس نے دیکھ لیا کہ جھونپڑی کے ارد گرد چار جنگلی لوگ پہرہ دے رہے ہیں جس کا مطلب تھا کہ عمران کو جھونپڑی میں قید کیا گیا ہے۔ مگر سانپ اپنی تسلّی کے لیے عمران کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ سانپ کے لیے جھونپڑی میں گھسنا کوئی مُشکل کام نہ تھا۔ جھونپڑی میں دیا جل رہا تھا جس کی روشنی میں اس نے عمران کو دیکھا کہ درمیان میں گڑے ہوئے بانس کے کھمبے کے ساتھ ٹیک لگائے سر جھُکائے بیٹھا ہے اس کے پاؤں رسّی سے بندھے ہوئے تھے۔ سانپ نے سوچا کہ اگر اس وقت اس نے عمران سے کوئی بات کی تو آواز سُن کر جنگلی اندر آ جائیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنا سر جھونپڑی کی دیوار کے سوراخ میں سے باہر نکال لیا۔

وہ سب سے پہلے ان دو جنگلیوں کی طرف بڑھا جو جھونپڑی کے پیچھے گھاس

پر بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے مُنہ جھونپڑی کی طرف تھے۔ وہ آپس میں باتیں کررہے تھے۔ سانپ رینگتا ہوا ان کے پیچھے آیا۔ وہ اپنے زہر کی تیزی سے واقف تھا۔ اس کا زہر کسی کو دوسرا سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس نے پہلے جنگلی کو ڈسا تو وہ بولتے بولتے ایک دم رُکا اور پھر ایک طرف ڈھیر ہو گیا۔ اس کا ساتھی اُسے اٹھانے ہی لگا تھا کہ وہ بھی اس کے اوپر گر پڑا۔ سانپ نے دوسرے جنگلی کو بھی ڈس دیا تھا۔ اب وہ ان جنگلیوں کی طرف گیا جو جھونپڑی کے دروازے کے سامنے بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ اسی طرح سانپ نے ان دونوں کو بھی ڈس کر ہلاک کر دیا۔ یہ لوگ کوئی ہلکی سی آواز بھی نہ نکال سکے۔

اس کے بعد سانپ جھونپڑی میں گُھس گیا۔ عمران آنکھیں بند کیے سر جھُکائے بیداری اور نیند کے عالم میں تھا۔ سانپ رینگتا ہوا اس کے

قریب آگیا اور آہستہ سے بولا :

"عمران ! میرے دوست !"

عمران نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اپنے سامنے اپنے دوست سانپ کو دیکھا تو اس کے مُردہ جسم میں جیسے جان پڑ گئی۔ کہنے لگا :

"میرے دوست ! تُم آ گئے تُم کہاں چلے گئے تھے ؟"

سانپ نے دھیمی آواز میں کہا :

"یہ سب کُچھ تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ بہر حال مُجھے ایک سپیرا پکڑ کر لے گیا تھا۔ موقع پا کر اسے جہنّم میں پہنچایا اور خود تمہاری بُو لیتا یہاں تک پہنچا ہوں۔"

عمران بولا۔ "باہر چار آدمی پہرہ دے رہے ہیں۔"

سانپ نے کہا۔ "میں نے ان چاروں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ اب یہاں سے نکل چلو۔"

عمران نے اپنے بندھے ہوئے پاؤں دِکھائے۔ سانپ نے اسی وقت اپنے دانتوں سے رسّی کاٹ ڈالی۔ عمران نے دیا بُجھا دیا اور جھونپڑی کا دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔

دروازے کے آگے اسے دو ڈھیریاں نظر آئے۔ دونوں جنگلیوں کی لاشیں آہستہ آہستہ پگھل رہی تھیں۔ سانپ نے کہا، "پچھلی طرف سے نکل چلو۔"

عمران جھونپڑی کے پیچھے جو درخت تھے اس طرف کو بھاگا۔ سانپ اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ آگے چھوٹا سا پہاڑی نالہ آگیا۔ وہ نالے میں اُتر کر اُس کے کنارے کنارے شمال کی طرف چلنے لگا۔ سانپ تیز تیز رینگ رہا

تھا۔ عمران نے اُسے اُٹھا لیا اور اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اچانک اسے اپنے ریوالور کا خیال آگیا جو جنگلی سردار نے تھیلے سمیت اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اُس نے ناگ سانپ سے ذکر کیا کہ ریوالور پیچھے رہ گیا ہے۔ سانپ بولا۔

"اِس کی اب فکر نہ کرو۔ یہاں سے جان بچاؤ۔ یہ آدم خور جنگلی ہیں۔ جب تک میں اِن سب کو باری باری ہلاک کروں گا۔ یہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اور عمران تیز تیز دوڑنے لگا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد رات کی تاریکی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

رات کا باقی حصّہ عمران پہاڑیوں میں سفر کرتا جنگلی آدم خوروں کے علاقے سے کافی دور نکل گیا۔ جب دِن کی روشنی پھیلی تو منظر بدل چُکا تھا۔ ہری بھری پہاڑیوں کی جگہ بنجر اور سیاہ چٹّانوں نے لے لی تھی۔ اِن نوکیلی

چٹّانوں کے درمیان کہیں کہیں جھاڑیاں اُگی تھیں۔ ایک جگہ پتھرّوں میں سے پانی نکل کر ٹپک رہا تھا۔ عمران وہاں بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے دوست سانپ کو جیب سے نکال کر پتھرّوں پر رکھ دیا اور جی بھر کر پانی پیا۔ پھر مُنہ ہاتھ دھویا اور سانپ سے پوچھا :

"میرے دوست! کیا تمھیں یہاں شیبا کی خوش بُو محسوس ہو رہی ہے ؟"

ناگ سانپ نے چاروں طرف اپنا پھن گھُمایا۔ بار بار زبان باہر نکال کر لہرائی۔ پھر بولا :

"مُجھے کسی طرف سے شیبا کی خوش بُو نہیں آ رہی۔" عمران نے جیب سے نقشہ کھول کر پھیلایا۔ کہنے لگا :

نقشے میں اِس ساحل کا صرف یہی علاقہ دکھایا گیا ہے جہاں چٹّانیں ہی چٹّانیں

ہیں۔“

سانپ بولا :

”میں نے خلائی مخلوق کی زبانی یہ ضرور سُنا تھا کہ جہاں خلائی مخلوق نے اپنا زمین دوز ٹھکانہ بنا رکھا ہے وہاں اوپر چٹّانیں نہیں ہیں بلکہ سیاہ ٹیلے ہیں۔ اِس لیے ہمیں یہاں سے آگے شمال کی طرف چلنا چاہیے۔ مُجھے یقین ہے کہ آگے ہمیں سیاہ ٹیلے ضرور مل جائیں گے۔“

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد عمران ان چٹّانوں میں آگے کی طرف چل پڑا۔ سانپ اس کی جیب میں تھا اور اس نے اپنی گردن جیب سے باہر نکال رکھی تھی۔ ایک گھنٹے تک عمران ان چٹّانوں میں سفر کرتا رہا۔ آخر اُسے سیاہ ٹیلوں کا سِلسِلہ نظر آیا۔ اس نے سانپ کی طرف دیکھا تو سانپ نے گہرا سانس پھنکار کی طرح چھوڑتے ہوئے کہا :

”عمران! ہوا میں شیبا کی خوش بُو ہے۔“

یہ سُن کر عمران اُچھل سا پڑا۔ اُسے اپنی مُہم کام یاب ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے پوچھا:

”یہ خوش بُو کس طرف سے آ رہی ہے۔“

سانپ کا پھن شمالی ٹیلوں کی طرف تھا جو اس جگہ سے چھ سات میل کے فاصلے پر تھے۔ سانپ نے کہا:

”شیبا کی خوش بُو سامنے والے ٹیلوں سے آ رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خلائی مخلوق کی خُفیہ لیبارٹری ان پہاڑیوں کے اندر ہی کسی جگہ واقع ہے اور شیبا بھی وہاں موجود ہے۔ اسے ابھی تک خلائی سیّارے میں نہیں لے جایا گیا۔“

عمران خوش ہو کر کہنے لگا۔

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ شیبا ابھی تک ہماری زمین پر ہی ہے۔ اب ہمیں باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

اور عمران آگے چل پڑا۔ جب سیاہ ٹیلے شروع ہوئے تو سانپ بولا :

"عمران! رُک جاؤ۔ آگے خطرہ ہو سکتا ہے کیونکہ شیبا کی خوش بُو کی لہریں یہاں بڑی تیزی سے آ رہی ہیں۔"

عمران ایک ٹیلے کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس نے دِن کی روشنی میں گردن آگے بڑھا کر دیکھا کہ سامنے ایک سنگلاخ پہاڑی تھی جس کے اوپر ٹوٹی پھوٹی پتھریلی سیڑھیاں جاتی تھیں۔ پہاڑی کے اوپر کہیں کہیں شکستہ مکانوں کے کھنڈر دکھائی دے رہے تھے۔ اِن کھنڈرات پر ویرانی برس

رہی تھی۔ کوئی پرندہ تک اوپر اُڑتا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ عمران نے سانپ کو جیب سے باہر نکال کر سیاہ پہاڑی کے مکانوں کے کھنڈر دکھائے اور کہا :

"میرا خیال ہے اب ہم اپنی منزل کے سامنے ہیں۔ میں وہ پہاڑی اور شکستہ مکانوں کے کھنڈر ہیں جن کے بارے میں تُم نے بتایا تھا۔"

سانپ نے بھی پہاڑی والے کھنڈر کو غور سے دیکھا اور بولا :

"شیبا کی خوش بُو بھی اسی پہاڑی کی طرف سے آ رہی ہے۔ ضرور اسی جگہ خلائی مخلوق نے زیر زمین اپنا ٹھکانہ بنایا ہوا ہے۔"

عمران بڑے غور سے پہاڑی کو تک رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "مگر یہاں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ یہاں خلائی مخلوق رہتی ہے ؟"

سانپ نے کہا :

”خلائی مخلوق اِس دُنیا کو تباہ کرنے یہاں آئی ہوئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ چھپائے گی۔ ان مکانوں کے نیچے خلائی لیبارٹری ہوگی اور شیبا بھی اسی جگہ کسی تہہ خانے میں قید ہے۔“

عمران بولا۔ ”ہمیں رات کے اندھیرے میں وہاں جانا چاہیے۔ دِن کی روشنی میں ہمیں دیکھا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی یہ خلائی مخلوق سائنس میں کافی ترقّی یافتہ ہے۔ اُنھوں نے باہر ضرور کوئی خُفیہ ریڈار یا کسی جگہ کوئی مائیکرو ٹی وی کیمرہ لگایا ہوگا۔“

سانپ کُچھ دیر کے لیے خاموش رہا۔ پھر کہنے لگا:

”میں پہلے جا کر معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ اگر کوئی زیرِ زمین خلائی تہہ خانہ ہے تو اُس کو کون سا راستہ جاتا ہے۔ بہتر یہی ہے۔“

عمران نے کہا۔ "تُم کسی مُشکل میں نہ پھنس جاؤ۔"

سانپ بولا۔ "اگر میری جگہ تُم جاؤ گے تو تُم بھی کسی مُشکل میں پھنس سکتے ہو۔ یہ خطرہ تو ہم دونوں میں سے کسی کو لینا ہی پڑے گا۔ ویسے میرے دیکھے جانے کا امکان کم ہے۔"

آخر میں طے ہوا کہ اندھیرا ہو جانے کے بعد سانپ گُمشدہ ویران شہر کے کھنڈروں میں جائے گا۔ وہ وہاں سے پیچھے ہٹ گئے۔ ایک جگہ کالی چٹّانوں میں ایک قدرتی سُرنگ بنی ہوئی تھی۔ وہ دونوں سُرنگ میں چلے آئے۔

سانپ بولا:

"تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔ میں باہر جا کر دیکھتا ہوں، ہو سکتا ہے یہاں تمہارے لیے کھانے پینے کو کُچھ مل جائے۔"

عمران نے مُسکرا کر کہا۔ "اِس ویرانے اور سنگلاخ پہاڑی علاقے میں بھلا کھانے پینے کو کیا ملے گا۔"

ناک سانپ نے بڑی سنجیدہ آواز میں کہا :

"عمران! تُم اس زمین اور زمین کی چیزوں کے بارے میں وہ کُچھ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ تُم اسی جگہ رہنا۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔"

سانپ سُرنگ میں سے رینگتا ہوا نکل گیا۔ چٹّانوں کے درمیان سوائے سوکھی خُشک گھاس اور کانٹے دار جھاڑیوں کے اور کُچھ بھی نہیں تھا۔ پانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مگر سانپ کسی اور ہی چیز کی تلاش میں تھا۔ آخر اسے وہ شے مل گئی۔ یہ امرود کی طرح کا ایک پھل تھا جو ایک چٹّانوں کے اوپر اُگی ہوئی جھاڑی پر لگا تھا۔ ناگ سانپ وہ امرود توڑ کر عمران کے پاس لے آیا اور کہا :

"اسے کھا جاؤ۔ تمہیں کل شام تک نہ بھوک لگے گی نہ پیاس اور تمہیں کم زوری بھی محسوس نہیں ہوگی۔"

عمران نے سانپ سے وہ پھل لے کر اپنی جیکٹ سے رگڑ کر صاف کیا اور کھانے لگا۔ پھل میٹھا اور رس دار تھا۔ اِسے کھانے کے بعد عمران کی بھوک پیاس جاتی رہی۔ اس نے کہا:

"دوست! تُم نے تو کمال کر دکھایا۔ اب ذرا ایک بار پھر ویران شہر کی پہاڑی کی طرف مُنہ کر کے مُجھے بتاؤ کہ شیبا کی خوش بُو کہیں غائب تو نہیں ہو گئی۔"

سانپ نے ویران شہر کی پہاڑی کی طرف مُنہ کر کے سانس کھینچا اور بولا۔

"شیبا کی خوش بُو برابر آ رہی ہے۔"

اب اُنہیں رات کا اندھیرا چھا جانے کا انتظار تھا۔ جب سورج غروب ہو

گیا تو ویران پہاڑی کے کھنڈر مکانوں پر آہستہ آہستہ سیاہی چھانے لگی۔

جب ہر طرف رات کا اندھیرا چھا گیا تو سانپ نے کہا:

"اب میں جاتا ہوں۔ تُم یہاں سے مت ہلنا، میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔"

یہ کہہ کر سانپ چٹّانوں میں سے نکل کر ویران پہاڑی کے اوپر مکانوں کے کھنڈر میں پہنچا تو اس نے محسوس کیا کہ شیبا کی خوش بُو کے جھونکے ایک خاص طرف سے زیادہ تیز تیز آ رہے ہیں۔ سانپ اس طرف رینگتا چلا گیا۔ وہاں مکانوں کی ٹوٹی ہوئی پتھرّ کی دیواروں کے درمیان ایک چھوٹا سا احاطہ بنا ہوا تھا۔ اس احاطے کے کونے میں ایک گول شکستہ سا مینار تھا۔ شیبا کی خوش بُو اس مینار میں سے نکل رہی تھی۔ یہاں چاروں طرف اندھیرا تھا اور کوئی خلائی مخلوق بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ سانپ پتھرّوں کے درمیان رینگتا مینار کے قریب آیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ مینار کے

اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ مگر شیبا کی خوش بُو کی لہریں بڑی شدّت سے مینار کی دیوار میں سے نکل رہی تھیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ شیبا اس مینار کے نیچے اس تہہ خانے میں قید ہے۔ سانپ نے مینار کے گرد ایک چکّر لگایا۔ مینار اوپر سے بند تھا۔ اس کی دیوار میں سے کُچھ پتھّر اُکھڑے ہوئے تھے۔ مینار کی چھتری بھی ایک طرف ڈھے گئی تھی مگر اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ سانپ کو مینار کی دیوار کے نیچے زمین کے اندر جاتا ایک سوراخ دکھائی دیا۔ وہ اِس سوراخ میں داخل ہو گیا۔ یہ سوراخ کسی چوہے کا بِل تھا۔ مگر چوہا وہاں نہیں تھا۔ کیونکہ وہاں خلائی مخلوق کے جسموں سے نکلنے والی تابکاری پھیلی ہوئی تھی۔ تابکاری کی لہروں کو سانپ نے بھی اپنے جسم پر محسوس کیا تھا۔ سانپ چوہے کے بل میں آگے ہی آگے رینگتا چلا گیا۔ پہلے اندھیرا تھا۔ پھر ہلکی ہلکی روشنی نظر آنے

لگی۔ یہ راستہ زمین کے نیچے جا رہا تھا۔ یہاں خلائی مخلوق کی تابکاری بھی بڑھ گئی تھی۔ سانپ نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور آگے ہی آگے رینگتا چلا گیا۔ روشنی صاف ہوتی گئی۔ پھر چوہے کا بِل ایک ایسی پتھرّ کی دیواروں والی کوٹھڑی میں پہنچ کر ختم ہو گیا جہاں چھت کے ایک پتھرّ میں سے نیلے رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔ کوٹھری میں ایلومینیم کے چھوٹے بڑے خالی ڈبےّ بِکھرے پڑے تھے اور فضا میں کسی تیز دوائی کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود ناگ سانپ شیبا کی خوش بُو برابر محسوس کر رہا تھا۔ یہ خوش بُو کوٹھڑی کی دوسری طرف سے آ رہی تھی۔

کوٹھڑی کا دروازہ لوہے کا تھا جو بند تھا۔ ناگ سانپ نے دیوار کو دیکھا۔ دیوار بڑے بڑے پتھرّوں کی سِلوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ اس میں سے گزرنے کے لیے کوئی چھوٹا سا سوراخ بھی نہیں تھا۔ سانپ کو قدموں کی

آواز سُنائی دی۔ وہ جلدی سے ایلو مینیم کے خالی ڈبّوں کے پیچھے چھُپ گیا۔ دروازہ کھُلا اور نیلے خلائی لباس میں ملبوس دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہرے بھی انسانوں جیسے تھے مگر ان پر بڑی کرختگی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کر رہے تھے۔ وہ اپنے ساتھ سِلور کا ایک کریٹ لائے تھے جس میں سے وہ چھوٹے چھوٹے ڈبّے نکال کر سامنے والی دیوار کے ساتھ لگانے لگے۔ لوہے کا دروازہ آدھا کھُلا تھا۔ سانپ نے موقع غنیمت جانا اور ایلو مینیم کے ڈبّوں میں سے رینگتا ہوا نکلا اور دروازے سے باہر ہو گیا۔ باہر ایک دُھندلی دُھندلی نیلی روشنی تھی۔ یہ ایک سُرنگ سی تھی۔ یہاں تابکاری کُچھ زیادہ تھی۔ یہ تابکاری سانپ کو زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے سُرنگ کی دیوار پر چڑھ گیا اور رینگ کر چھت کے ساتھ کونے میں چپک گیا۔

دونوں خلائی آدمی کوٹھڑی سے باہر نکلے اور کریٹ کو کھینچتے سُرنگ میں سے گزر گئے۔ سانپ سُرنگ کی چھت سے چمٹا ہوا تھا۔ وہاں اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ سُرنگ میں رینگنے لگا۔ شیبا کی خوش بُو زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ آگے چھت پر نیلی روشنی تھی۔ سانپ اس سے بچنے کے لیے دیوار پر آگیا۔ رینگتے رینگتے وہ ایک چھوٹے سے روشن دان کے پاس پہنچا جہاں اندر سے روشنی کے ساتھ خلائی مخلوق کی باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی۔

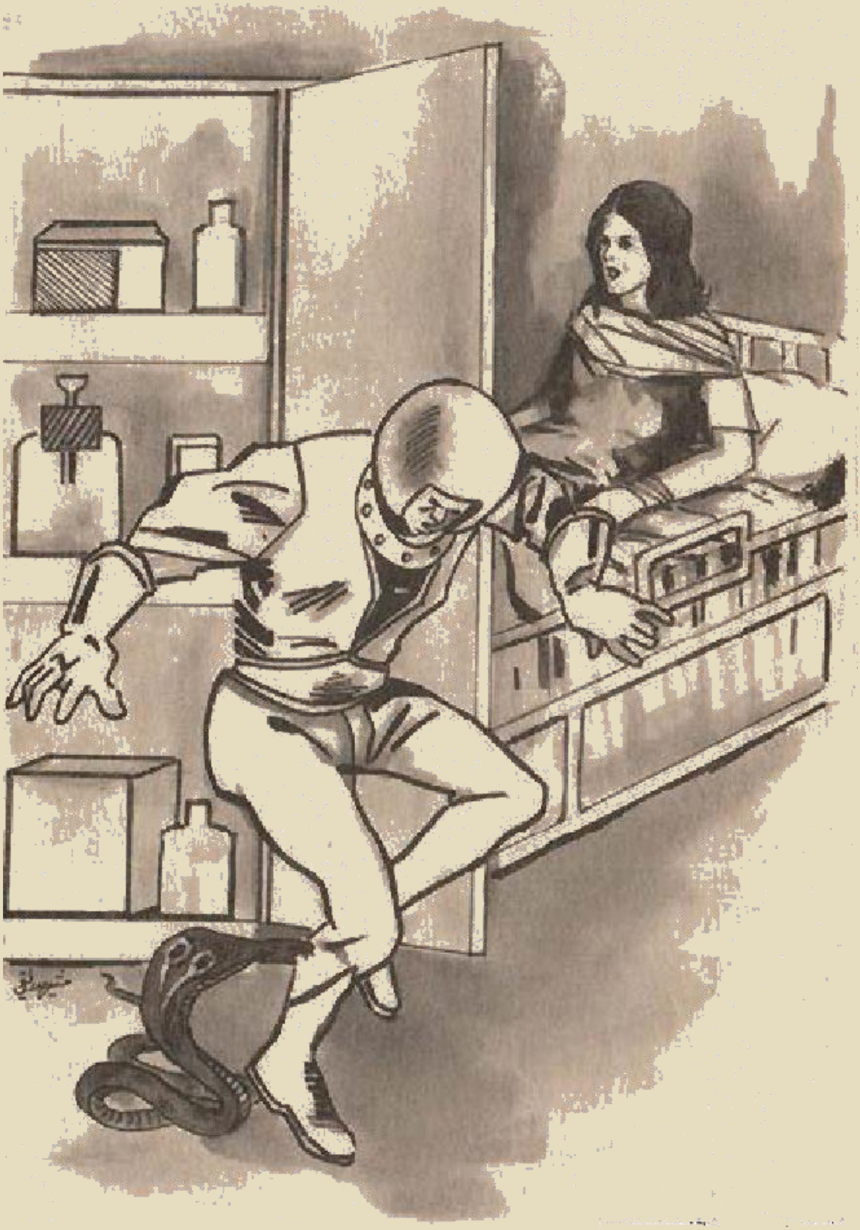
سانپ نے روشن دان کے ساتھ لگ کر اندر نگاہ ڈالی۔ یہ چاندی کی طرح چمکتا ایک چھوٹا سا کمرا تھا جس کی دیواروں پر بے شمار ڈائل لگے ہوئے تھے۔ ان میں نیلی سبز سُرخ روشنیاں ہو رہیں تھیں۔ درمیان میں ایک گول سفید میز کے گرد سفید اسٹولوں پر آمنے سامنے دو خلائی آدمی بیٹھے میز پر رکھی تانبے کی ایک چوکور پلیٹ کو دیکھ رہے تھے۔ ایک نے سر اوپر

اٹھائے بغیر اپنی خلائی زبان میں کُچھ کہا جسے سانپ نہ سمجھ سکا۔ سانپ روشن دان کے اوپر سے ہو کر دیوار پر آگے گزر گیا۔ کیونکہ شیبا کی خوش بُو سُرنگ کے دوسرے حصّے سے آ رہی تھی اور یہ خوش بُو پہلے سے بہت تیز ہو گئی تھی جس کا مطلب تھا کہ شیبا کہیں قریب ہی تھی۔

سانپ شیبا کی خوش بُو کے ساتھ ساتھ رینگتا چلا گیا۔ سُرنگ آگے جا کر مُڑ گئی چونکہ وہ چھت کے ساتھ لگا رینگ رہا تھا۔ اسی لیے کسی کی نظر اس پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ وہ سُرنگ آگے جا کر ڈھلانی ہو گئی۔ یہاں ایک کمرے کے روشن دان میں سے ہلکی نیلی روشنی کے ساتھ شیبا کی خوش بُو بھی بڑی تیزی سے نکل رہی تھی۔ سانپ نے روشن دان کے ساتھ مُجھے لگا دیا کیا دیکھتا ہے کہ شیبا کمرے میں ایک اسٹریچر پر اس طرح پڑی ہے کہ اس کے مُنہ کے اوپر ایک بڑا نیلا بلب روشنی ڈال رہا ہے۔ شیبا شاید بے ہوش

تھی۔ کیونکہ وہ کوئی حرکت نہیں کر رہی تھی۔

ایک خلائی آدمی ہاتھ میں سفید ٹرے لیے آیا اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ سانپ تیزی سے رینگ کر نیچے آیا اور آدھ کھُلے دروازے میں سے کمرے میں داخل ہو کر کونے میں ایک الماری کے پیچھے چھُپ گیا۔ خلائی آدمی نے شیبا کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اُس کی نبض دیکھی۔ پھر اس کے بازو پر ایک انجکشن لگایا اور روشنی کے بڑے بلب کو بجُھا دیا۔ اب کمرے میں صرف کونے والا نیلا بلب ہی روشنی دے رہا تھا۔ اِس کام سے فارغ ہو کر خلائی آدمی کمرے سے نکل گیا۔ اس نے جاتے ہوئے باہر تالا لگا دیا تھا۔ ناگ سانپ تیزی سے الماری کے پیچھے سے نکلا اور شیبا کے پاس اگر اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔



خلائی سُرنگ سے فرار

شیبا نیم بے ہوش تھی۔

سانپ کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ کسی وقت بھی کوئی خلائی آدمی اندر داخل ہو سکتا تھا۔ سانپ کے پاس شیبا کو ہوش میں لانے کی ایک ہی تدبیر تھی۔ اس نے اپنا پھن پیچھے ہٹایا۔ منہ سے گرم ہوا کی پھنکار شیبا کے چہرے پر پھینکی۔ شیبا نے ایک جھرجھری سی لی اور آنکھیں کھول دیں۔

اپنے سامنے اپنے پرانے ساتھی اور ہمدرد کالے سانپ کو دیکھا تو اسے فوراً پہچان لیا۔ وہ حیران ہو کر بولی۔

"ارے! تُم یہاں کیسے آئے؟ تمہیں میرا پتا کیسے چلا؟ ممّی کا کیا حال ہے؟ عمران کہاں ہے؟"

شیبا نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔ سانپ نے آہستہ سے کہا۔

"سب ٹھیک ہے۔ عمران میرے ساتھ ہی ہے۔ میں تمہیں یہاں سے نکالنے آیا ہوں۔"

شیبا اسٹریچر پر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں چاروں طرف دیکھا اور بولی۔

"وہ لوگ کسی بھی وقت یہاں آ سکتے ہیں۔ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

کہیں چھپ جاؤ۔"

ناک سانپ نے کہا۔

"تُم میری فکر نہ کرو شیبا۔ اُٹھو اور میرے ساتھ ابھی یہاں سے نکل چلو۔"

شیبا نے بے بسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا۔ اللہ کے لیے تُم اپنی جان بچا کر یہاں سے نکل جاؤ۔ یہ لوگ آج رات مُجھے اپنے سیّارے اوٹان پر لے جا رہے ہیں۔ اُنھوں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔"

"شیبا! تُم نے حوصلہ کیوں ہار دیا۔ میں اور عمران اپنے وطن سے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اس ویران علاقے میں صرف تمھاری خاطر آئے ہیں۔ ہم تمھیں اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔"

دروازے کی طرف کسی کے قدم بڑھ رہے تھے۔ شیبا جلدی سے اسٹریچر پر لیٹ گئی اور سانپ سے کہا۔

"چھپ جاؤ، چھُپ جاؤ۔ وہ لوگ آ رہے ہیں۔"

سانپ تیزی سے رینگ کر الماری کے پیچھے چھُپ گیا۔ دروازہ کھلا اور ایک خلائی آدمی نیلے خلائی سوٹ میں اندر داخل ہوا۔ اس نے دروازہ بند کیا۔ ایک نظر شیبا پر ڈالی اور الماری کھول کر اس میں سے کوئی شے تلاش کرنے لگا۔ خلائی آدمی کے نیلے جوتوں والے پاؤں ناگ سانپ کے بالکل سامنے تھے۔ خلائی سوٹ کی پتلون کے نیچے سانپ کو خلائی آدمی کی نیلی پنڈلی تھوڑی سی دکھائی دے رہی تھی۔

سانپ کے ذہن میں تیزی سے ایک خیال چمک اٹھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ اس کے ڈسنے سے خلائی آدمی ضرور مر جائے گا۔ مگر اس نے حملہ

کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے سامنے دوسری کوئی تدبیر نہیں تھی۔ سانپ نے فوراً ہی اپنے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے خلائی آدمی کی پنڈلی پر اپنے نوکیلے دانت گاڑ دیے اور کافی تعداد میں اپنا مہلک زہر اس کے جسم میں داخل کر دیا۔

سانپ کا خیال تھا کہ یہ خلائی مخلوق ہے۔ اس پر شاید ہی اس کے زہر کا اثر ہو۔ مگر اس کے زہر نے خلائی آدمی کے خُون کے نظام کو تہس نہس کر دیا تھا۔ وہ کھڑے کھڑے لرزا اور پھر دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ اُسے گرتا دیکھ کر شیبا اسٹریچر پر اُٹھ بیٹھی۔ سانپ الماری کے پیچھے سے نکل آیا اور بولا۔

"میں نے اِسے ڈس دیا ہے شیبا۔ اس کو میرے زہر نے ہلاک کر دیا ہے۔ جلدی سے اُٹھ کر اس کا خلائی سوٹ خود پہن لو۔ دیر نہ کرو شیبا۔ جلدی کرو۔"

شیبا کو پہلی بار وہاں سے فرار ہونے کی ہلکی سی اُمّید نظر آئی۔ اس نے جلدی جلدی خلائی آدمی کا نیلا خلائی سوٹ پہن لیا۔ اِس سوٹ کے پہننے سے چہرے کے آگے ایک نقاب آ جاتا تھا جس پر نیلا شیشہ لگا تھا اور شکل آسانی سے دیکھی نہ جا سکتی تھی۔ شیبا نے خلائی آدمی کی سیاہ سڑتی لاش کو گھسیٹ کر الماری کے پیچھے ڈال دیا اور سانپ سے کہا۔

”میرے پیچھے پیچھے آنا۔ مُجھے یہاں کے کُچھ خُفیہ راستوں کا تھوڑا بہت علم ہے۔“

شیبا نے الماری میں سے المونیم کا ایک ٹرے نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور بڑے اطمینان سے دروازہ کھول کر نیم روشن راہ داری میں آ گئی۔ سانپ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ خلائی مخلوق کے درمیان رہنے سے شیبا کو اُن کے اشاروں اور ایک آدھ الفاظ سے واقفیت ہو گئی تھی۔ راہ داری میں سے وہ

یوں سکون سے گزر رہی تھی جیسے کسی پہاڑی یا آپریشن روم کے راستے کوئی ضروری سے لے کر جا رہی ہو۔ یہی وہ راستہ تھا جہاں سے گزار کر اِسے پہلی بار لایا گیا تھا۔ دائیں جانب مُڑنے کی بجائے شیبا اس طرف ہو گئی جدھر لوہے کا دروازہ تھا اور باہر ایک خلائی گارڈ ہاتھ میں لیزر گن لیے پہرہ دے رہا تھا۔

خلائی گارڈ نے ابھی شیبا کو نہیں دیکھا تھا۔ شیبا نے ایک نظر راہ داری میں پیچھے کی طرف ڈالی اور پھر سانپ سے جھُک کر کہا۔

"ہمارے راستے کی شاید آخری رکاوٹ وہ خلائی گارڈ ہے۔ کیا تُم اسے ختم کر سکتے ہو۔"

سانپ نے دھیمی سرگوشی میں کہا۔

”وہ بچ نہیں سکے گا۔ تُم اسی جگہ اندھیرے میں ٹھہرو۔“

شیبا دیوار کے ساتھ اندھیرے میں ہو گئی۔ سانپ دیوار پر چڑھ گیا اور پھر سُرنگ کی چھت سے چمٹا آہستہ آہستہ رینگتا خلائی گارڈ کے پیچھے آگیا۔ اُس کے پیچھے لوہے کا دروازہ تھا۔ سانپ دروازے پر سے رینگ کر نیچے آ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ خلائی مخلوق کے نیلے سوٹ کی پتلون اور نیلے جوتوں کے درمیان تھوڑی سی جگہ خالی ہوتی ہے۔ اس خلائی گارڈ کی نیلی پنڈلی بھی تھوڑی تھوڑی نظر آ رہی تھی۔ یہی سانپ کا ٹارگٹ تھا۔ وہاں سوچنے اور غور کرنے اور منصوبہ بندی کرنے وقت نہیں تھا۔ سانپ نے پھن اُٹھایا اور خلائی گارڈ کی پنڈلی پر ڈس لیا۔ خلائی گارڈ اپنی جگہ کھڑے کھڑے ایسے کانپا جیسے کسی نے اُسے ہلا دیا ہو۔ پھر دھڑام سے نیچے گِر پڑا۔ اُس کے گِرتے ہی شیبا اُس کی طرف دوڑی۔ سب سے پہلے اُس کی لیزر گن اپنے

قبضے میں کی اور دیوار میں لگا ایک خاص بٹن دبایا۔ آہنی دروازہ اپنے آپ کھُل گیا۔

شیبا نے سانپ کو اشارہ کیا اور وہ دونوں دروازے میں سے گزر گئے۔ آگے پتھرّ کی سیڑھیاں تھیں جو اُوپر جا رہی تھیں۔ شیبا نے سانپ سے کہا۔

"اب تمہیں میری جیب میں آ جانا چاہیے۔ آگے خطرہ ہے۔ کُچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

سانپ شیبا کے خلائی سوٹ کی جیب میں اتر گیا۔ شیبا سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اوپر ایک بڑا کمرا ہے جہاں خلا میں سفر کرنے والی چھوٹی اُڑن تشتری رکھی گئی ہے۔ یہ اُڑن تشتری خلائی سیّارے اوٹان سے شیبا کو لینے کے لیے آئی ہوئی تھی۔ شیبا کو خلا میں لے جانے کا حُکم اوٹان

سیّارے کے گریٹ کنگ نے دیا تھا اور شیبا کو خلائی سیّارے میں لے جانے کے لیے ضروری انجکشن وغیرہ لگائے جا رہے تھے۔ شیبا خلائی سوٹ میں ملبوس بظاہر بڑے اطمینان کے ساتھ اس کمرے میں آئی اور اُڑن

تشتری کے قریب سے گزر کر عقبی زینے میں آ گئی۔ ایک خلائی آدمی اُڑن تشتری کے سامنے والی دیوار کے پاس گن لیے کھڑا تھا۔ مگر وہ یہ سمجھا کہ یہ کوئی اپنے عملے کا ہی خلائی آدمی ہے۔ اس نے شیبا کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ شیبا دھڑکتے دِل کے ساتھ زینہ اُترنے لگی۔

اس زینے کے آگے اِس زیرِ زمین خلائی اڈّے کا آخری دروازہ تھا جو باہر کھُلتا تھا۔ اس دروازے تک ایک تنگ راستہ جاتا تھا۔ یہاں آ کر شیبا نے ایک گہرا سانس لیا اور سانپ کو جیب سے نکالا اور کہا۔

"میرے دوست! صرف ایک دروازہ باقی رہ گیا ہے۔ اس دروازے پر بھی ایک خلائی گارڈ پہرے پر ہوتا ہے۔ اُسے بھی ختم کرنا ہوگا۔ اسے ختم کیے بغیر ہم یہاں سے باہر نہیں نکل سکتے۔"

سانپ نے سرگوشی میں کہا۔

"مُجھے دروازے تک لے چلو۔"

شیبا زیر زمین نیم روشن تنگ راستے سے گزرتی اس جگہ آ کر رُک گئی جہاں لوہے کا دروازہ دیوار میں لگا ہوا تھا اور ایک خلائی گارڈ لیزر گن لیے پہرے پر کھڑا تھا۔ شیبا دیوار کے ساتھ اندھیرے میں تھی۔ اُس نے سانپ کو خلائی گارڈ دکھایا اور پھر اسے چھوڑ دیا۔ اگرچہ ایک لیزر گن شیبا کے ہاتھ میں تھی مگر وہ لیزر گن فائر کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ کیونکہ اگر اس کا نشانہ خطا ہو گیا تو خلائی گارڈ ایک سیکنڈ میں دیوار کا بٹن دبا کر وہاں

خطرے کا سائرن بجا سکتا تھا اور پھر شیبا اور سانپ کا وہاں سے فرار نا ممکن تھا۔ سانپ دیوار پر رینگتا خلائی گارڈ کے پیچھے آگیا۔ یہاں سے وہ نیچے زمین پر اتر آیا۔ وہ خلائی گارڈ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ خلائی گارڈ نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور ہلنے لگا۔ ناگ سانپ پیچھے ہٹنے لگا تو خلائی گارڈ کی اُس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے فوراً سانپ پر اپنی گن سے فائر کر دیا۔ گن میں سے نیلی شعاع نکل کر زمین پر پڑی اور وہاں شُعلہ بُلند ہوا۔ خوش قسمتی سے سانپ تڑپ کر دوسری طرف ہٹ گیا تھا۔ مگر شیبا یہی سمجھی کہ گارڈ نے سانپ کو ہلاک کر دیا ہے۔ اِس خیال کے ساتھ ہی شیبا اُچھل کر سامنے آ گئی۔ لیزر گن دونوں ہاتھوں میں پکڑی اور نشانہ باندھ کر فوراً گارڈ پر فائر کر دیا۔ یہ سب کُچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ گارڈ اپنی گن اُوپر نہ اُٹھا سکا۔ شُعلہ اُس کے سینے پر لگا اور وہ آناً فاناً وہیں بھسم ہو گیا۔ دوسرے لمحے زمین پر خلائی گارڈ کی نسواری

رنگ کی راکھ پڑی تھی۔

شیبا بھاگ کر دروازے کے پاس آئی۔ اس نے سانپ کو آواز دی۔ سانپ اس کے سامنے آگیا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ تُم بچ گئے۔"

شیبا نے آگے بڑھ کر دیوار کے ساتھ لگے ایک چوکور بٹن کو دبا دیا۔ آہنی دروازہ اپنے آپ اوپر اُٹھ گیا۔ باہر سے تازہ ٹھنڈی ہوا اور دِن کی روشنی اندر آگئی۔ شیبا اور سانپ جلدی سے باہر نکل گئے۔ اُن کے باہر نکلتے ہی دروازہ اپنے آپ آہستہ سے نیچے گِر گیا۔ یہ دروازہ اُس ویران مینار کی دیوار میں زمین کے ساتھ بنایا گیا تھا جو پہاڑی کے اوپر کھنڈر مکانوں کے احاطے کے کونے میں واقع تھا۔ احاطے میں سے گُزرنے کے بجائے شیبا دوسری طرف سے پہاڑی کے نیچے اُترنے لگی۔ اس نے خلائی سوٹ

اُتار کر اُسے بغل میں دبا لیا تھا اور چھوٹے بڑے پتھرّوں میں سے گزرتی بھاگی جا رہی تھی۔ پہاڑی کی ڈھلان اُترنے کے بعد وہ چٹّانوں کی طرف دوڑی کیونکہ سانپ نے اسے بتا دیا تھا کہ عمران ان چٹّانوں میں چھپا ہوا ہے۔

عمران کی نگاہیں بھی ویران کھنڈر مکانوں والی پہاڑی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک لڑکی کو چٹّانوں کی سمت تیز تیز آتے دیکھا تو اوٹ سے باہر نکل آیا۔ اس نے شیبا کو پہچان لیا تھا۔ شیبا نے بھی عمران کو دیکھ لیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ عمران کے پاس آتے ہی بولی۔

"یہاں سے بھاگ چلو عمران۔ تھوڑی دیر میں خلائی مخلوق کو میرے فرار کا علم ہو جائے گا اور وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔"

عمران نے پوچھا۔ "ناگ کہاں ہے۔"

شیبا نے تعجّب سے کہا۔ "ناگ کون ہے؟"

عمران بولا۔ "میں اپنے دوست کو ناگ ہی کہتا ہوں اس نے اپنا یہی نام بتایا ہے۔"

شیبا نے جیب کی طرف اشارہ کیا۔ سانپ اُس کی جیب میں سے گردن نکالے عمران کو دیکھ رہا تھا۔

"اور یہ تمہاری بغل میں کیا ہے؟" عمران نے دوسرا سوال کیا۔ شیبا نے اپنے سانس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"یہ خلائی مخلوق کا سوٹ ہے۔ ہمارے کام آ سکتا ہے اب زیادہ سوال مت پوچھو اور یہاں سے دوڑو۔"

اور وہ چٹّانوں سے نکل کر پیچھے کی طرف جتنی تیز دوڑ سکتے تھے دوڑ پڑے۔

اس پندرہ منٹ میں وہ خلائی مخلوق والی پہاڑی سے بہت دور نکل گئے۔ یہاں چٹّانوں کا سِلسِلہ ختم ہو گیا اور چھوٹے چھوٹے ٹیلے شروع ہو گئے جن پر ہری ہری جھاڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ لیزر خلائی گن شیبا کے ہاتھ میں تھی۔ وہ دوڑتے دوڑتے تھک گئی تھی۔ عمران نے کہا:

"یہاں تھوڑی دیر آرام کر لو۔"

شیبا دوڑتے ہوئے بولی۔ "ابھی ہم خطرے سے باہر نہیں نکلے۔"

اور وہ دوڑتی چلی گئی۔ آخر ٹیلوں کے علاقے سے نکل کر وہ اس جگہ پر آ گئے جہاں برازیل کے گھنے جنگل شروع ہوتے تھے۔ یہاں ایک چشمے کے کنارے وہ دونوں بے سُدھ ہو کر گِر پڑے۔ وہ بُری طرح کانپ رہے تھے، جب ان کے سانس درست ہوئے تو دونوں نے چشمے پر جا کر مُنہ ہاتھ دھویا۔ جی بھر کے ٹھنڈا پانی پیا اور ایک بڑی چٹّان کی اوٹ میں بیٹھ

گئے۔ عمران کہنے لگا۔

"میں حیران ہوں تُم کیسے اس خلائی جہنّم سے نکل آئیں۔"

شیبا نے سانپ کو جیب سے نکال دیا۔ سانپ اُن کے سامنے گھاس پر کُنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اُس کا پھن اُوپر اُٹھا ہوا تھا۔ شیبا نے کہا۔

"اگر ہمارا دوست مدد کرنے نہیں آتا تو میں اس وقت تمہارے پاس نہ ہوتی۔"

عمران بولا۔ "واقعی یہ ہمارا سچّا دوست ہے شیبا۔ ہمیں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔"

سانپ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔ سچّا دوست وہی ہوتا ہے جو مُشکل میں

اپنے دوست کے کام آئے۔ مگر تمہیں یہاں زیادہ دیر نہیں رُکنا چاہیے۔
خلائی مخلوق ہمیں یہاں آکر بھی دبوچ سکتی ہے۔"

شیبا نے عمران کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ ٹھیک کہتا ہے۔ یہ وسطی امریکہ کا ملک برازیل ہے۔ اتنا مُجھے پتا چل گیا تھا۔ تُم کس طرف سے اِدھر آئے تھے؟"

عمران نے شیبا کو بتایا کہ وہ اور سانپ ہوائی جہاز کے ذریعہ سے برازیل کے دارالحکومت برازیلیا اُترے تھے اور وہاں سے خطرناک جنگلوں اور دلدلوں کا سفر کرتے ہوئے یہاں تک پُہنچے تھے۔ شیبا کہنے لگی۔

"ہمیں برازیلیا کی بجائے یہاں سے ریوڈی جنیرو جانا چاہیے۔ برازیلیا سے آگے سفر بے حد طویل ہے اور ہم کہیں بھی پکڑے جاسکتے ہیں۔"

”اور ریوڈی جنیرو کیا محفوظ ہو گا؟“ عمران نے پوچھا۔

شیبا بولی کے ریوڈی جنیرو برازیل کی مشرقی بندرگاہ ہے۔ وہاں سے اگر ہم کسی طرح کسی بحری جہاز میں سوار ہو جائیں تو اس ملک کو آسانی سے چھوڑ کر اپنے وطن کے لیے روانہ ہو سکیں گے۔

عمران نے کہا۔ ”لیکن ہمیں خلائی مخلوق کے اس ٹھکانے کو بھی تباہ کرنا ہے شیبا۔“

شیبا کہنے لگی۔ ”لیکن سب سے پہلے ہمیں اپنے وطن کی سرزمین اور وطن کے لوگوں کو خلائی مخلوق کے قاتل مشن سے بچانا ہے۔ ہمیں اپنے وطن میں اُتری ہوئی خلائی مخلوق کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کرنا ہے۔ اس لیے ہمارا اپنے وطن پہنچنا بہت ضروری ہے۔ یہ بات عمران کی سمجھ میں آ گئی۔ کہنے لگا۔

"ریوڈی جنیرو بھی یہاں سے کافی دور ہے شیبا۔" اور اُس نے نقشہ کھول کر گھاس پر رکھ دیا۔ شیبا نے ایک جگہ انگلی رکھ دی اور بولی۔

"یہ برازیل کی مشرقی بندرگاہ ریوڈی جنیرو ہے۔ یہ ایک ماڈرن شہر بھی ہے۔ مگر ہمارے پاس کافی رقم ہونی چاہیے۔ کیونکہ بحری جہاز کا کرایہ بہت زیادہ ہوگا۔"

عمران بولا۔ "روپے کی تُم فکر نہ کرو۔ یوں سمجھ لو کہ میرے لاکھوں ڈالر بینک میں جمع ہیں اور اس بینک کی شاخیں دُنیا کے ہر شہر میں موجود ہیں۔"

"یہ لاکھوں ڈالر کہاں سے آ گئے؟" شیبا نے تعجّب سے پوچھا۔ عمران نے سانپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ سب ہمارے دوست کا کرشمہ ہے۔ مگر یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ اب

ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔"

شیبا نے خلائی گن عمران کو دیتے ہوئے کہا :

"اسے تُم اپنے پاس چھپا کر رکھ لو۔"

عمران نے خلائی گن کو غور سے دیکھا اور جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ تُم نے اچھّا کیا جو خلائی سوٹ کے ہمراہ اسے بھی وہاں سے لے آئَی۔ یہ ہمارے کام آ سکتے ہیں۔" عمران نے برازیل کے نقشے پر آخری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا :

"اس وقت ہم ملک کے مشرقی علاقے پاہولوس کے پہاڑی سِلسلے میں ہیں۔ یہاں سے ہمیں گھنا جنگل اور دریائے ایمیزون عبور کر کے پاپولوس شہر پہنچنا ہو گا۔ وہاں سے ہمیں ریوڈی جنیرو کے لیے ہوائی جہاز مل سکے

گا۔"

شیبا نے کہا۔ "یہ جنگل دُنیا کے گنجان ترین اور خطرناک ترین جنگل ہیں۔ یہاں دلدلیں بھی ہیں اور مگرمچھ بھی ملیں گے۔"

عمران بولا۔ "لیکن ہمیں ان خطرناک جنگلوں سے گزرنا ہی پڑے گا۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

عمران نے نقشہ چمڑے کے بٹوے میں لپیٹ کر رکھا۔ سانپ کو اپنی جیکٹ کی بڑی جیب میں رکھا اور پھر وہ اور شیبا اللہ کا نام لے کر برازیل سے جنگلوں کے خطرناک سِلسلے میں داخل ہو گئے۔ یہ جنگل اتنے سر سبز اور گنجان تھے کہ سورج کی روشنی بڑی مُشکل سے نیچے تک پہنچ رہی تھی۔ وہ شام تک چلتے گئے۔ جب اندھیرا زیادہ گہرا ہو گیا تو اُنھوں نے ایک جگہ رات بسر کرنے کے لیے زمین صاف کی۔ وہاں کیلے کے پتّے کاٹ کر

بچھا دیے۔ جنگلی کیلوں کے بے شمار درخت اُگے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے پیٹ بھر کیلے کھائے۔ قریبی ندی پر جا کر پانی پیا اور آرام کرنے لگے۔ سانپ نے کہا:

"تُم لوگ سو جاؤ۔ میں تمھاری حفاظت کروں گا۔"

ایک طرف شیبا اور دوسری طرف عمران زمین پر سو گئے۔ وہ سخت تھکے ہوئے تھے۔ اُنھیں بہت جلد نیند نے آ گھیرا۔ سانپ ایک طرف ہٹ کر پہرہ دینے لگا۔ رات گہری ہوتے ہی جنگل میں پرندوں کی آوازیں بند ہو گئیں اور ایک خوفناک قسم کا سنّاٹا چھا گیا۔ سانپ ہر طرف سے چوکس رہ کر پہرہ دیتا رہا۔ یہاں تک کہ صُبح ہو گئی۔ شیبا اور عمران بیدار ہو گئے۔ اُنھوں نے چشمے پر جا کر وضو کیا۔ نماز پڑھی اور اللہ سے اپنی کامیابی کے لیے دُعا مانگی اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ تین دِن کے دشوار گزار اور پُر خطر سفر

کے بعد شیبا اور عمران پا پولوس پہنچ گئے۔

پا پولوس اگرچہ ایک چھوٹا شہر تھا مگر یہاں ایک ہوائی اڈّہ بھی تھا اور بینک اور خوبصورت ہوٹل بھی تھے۔ یہاں پہنچتے ہی عمران نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بینک سے کُچھ ڈالر نکلوائے۔ اپنے اور شیبا کے لیے ریڈی میڈ کپڑے خریدے۔ پھر رات کی پرواز سے پا پولوس سے ریوڈی جنیرو کے لیے ہوائی جہاز میں دو نشستیں بُک کروالیں۔ سانپ اُن کے ساتھ ہی تھا۔ وہ عمران کے سفری تھیلے میں چھُپا دیا گیا تھا۔ ائیر پورٹ پر معمولی سی چیکنگ ہوئی اور سانپ کا کسی کو پتا نہ چل سکا۔ تین گھنٹے کی پرواز کے بعد رات کے دو بجے وہ برازیل کے عالی شان جدید بندرگاہی شہر ریوڈی جنیرو پہنچ گئے۔ یہ شہر نیو یارک کی یاد دِلاتا تھا۔ ہر طرف روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ کشادہ سڑکوں پر کاروں کی قطاریں جاری تھیں۔ جگہ جگہ ہائی رائیز

یعنی بلند و بالا عمارتیں کھڑی تھیں۔ یہاں ایک ہوٹل میں اُنھوں نے ساتھ ساتھ دو کمرے لیے اور کھانا کھانے کے بعد سو گئے۔ دوسرے دِن شیبا بھی تیّار ہو کر عمران کے کمرے میں آ گئی۔ عمران ابھی ابھی نماز پڑھ کر فارغ ہوا تھا۔ شیبا نے کمرے کی شیشے کی دیوار کے آگے پردہ کھینچ دیا اور بولی:

"عمران! یہ پردہ نہیں ہٹانا تھا۔ ہم ابھی خطرے سے باہر نہیں ہوئے۔ خلائی مخلوق ضرور ہمارا پیچھا کر رہی ہوگی۔"

عمران بولا ئے۔ "اِسی لیے میں نے تمہارے آنے سے پہلے بحری جہاز والوں کی کمپنی سے معلوم کر لیا ہے کہ اُن کا جاپان کی طرف جہاز کب جائے گا۔"

"پھر کیا کہا انھوں نے؟" شیبا نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔ "وہ کہتے ہیں کہ یہ جہاز اگلے ہفتے جانے والا ہے اور کراچی رُک کر جائے گا۔ ہمیں اِس جہاز میں سفر کرنا ہو گا۔ ہم کراچی اُتر جائیں گے۔"

شیبا نے کہا۔ "یہ تو بڑی خُوشی کی بات ہے۔ ہمیں ٹکٹ خرید کر سیٹیں بُک کروالینی چاہیں۔" عمران پیالیوں میں چائے ڈالتے ہوئے بولا:

"جہاز والے کہتے ہیں سیٹیں دو دِن پہلے بُک ہوں گی اور ٹکٹ بھی اُسی دِن ملیں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔" شیبا نے کُرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن عمران اس دوران ہمیں ہوٹل سے بہت ہی کم باہر نکلنا ہو گا۔ تُم خلائی مخلوق کی بے پناہ سائنسی طاقت سے واقف نہیں ہو۔ مُجھے تو یہ بھی ڈر ہے کہ ان کا ریڈار ہمیں کمپیوٹر پر دیکھ رہا ہے۔"

عمران نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا :

"اگر ایسی بات ہوتی تو وہ اب تک ہمیں گرفتار کر چکے ہوتے۔ ضرور کوئی ایسی بات ہے کہ وہ اپنے زیرِ زمین خلائی ٹھکانے سے باہر نہیں نکلتے۔ اب تک تو انہیں یہاں ہمارے پیچھے آ جانا چاہیے تھا"

شیبا کُچھ سوچتے ہوئے بولی :

"اب مُجھے یاد آتا ہے کہ خلائی مخلوق ہماری دُنیا کی روشنی میں آتے ہوئے گھبراتی ہے۔ اُس برازیلی خُفیہ زیرِ زمین خلائی اسٹیشن کا انچارج شوگن چیف خلائی آدمی ہے۔ یہاں اُس کے علاوہ سات خلائی اسٹنٹ بھی ہیں۔ خلائی گارڈ اُن کے علاوہ ہیں۔ ایک بار مُجھے یاد ہے کہ شوگن چیف اپنے ساتھی سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ آپس میں کمپیوٹر سگنل سے بات کر رہے تھے جنہیں میں سمجھ لیتی ہوں اور تُم بھی سمجھتے ہو۔ یہ ماڈم لینگویج تھی۔"

”وہ کیا باتیں کر رہے تھے؟“ عمران نے شیبا کی طرف چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

شیبا بولی۔

”اُن کی باتوں سے صرف ظاہر یہ ہوتا تھا کہ وہ ہماری دُنیا کے سورج کی دھوپ اور اُس کی روشنی کی معمولی سی تابکاری کو بھی زیادہ دیر برداشت نہیں کرسکتے۔ اسی وجہ سے اُنہوں نے یہاں بھی اور ہمارے ملک میں بھی زمین کے اندر اپنے خُفیہ خلائی اڈّے بنائے ہیں۔ وہ رات کے وقت آسانی سے باہر کی فضا میں آسکتے ہیں مگر دِن کے وقت وہ سورج کی روشنی میں آنے سے گھبراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے یہاں تک ہمارا پیچھا نہیں کیا۔ لیکن وہ اپنی جدید ترین اور ترقّی یافتہ خلائی سائنس کی مدد سے ہمیں کہیں سے بھی اغوا کرسکتے ہیں۔“

عمران نے مُسکرا کر کہا۔ "چائے پیو شیبا بہن! ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

اور شیبا چائے کے ہلکے ہلکے گھونٹ بھرنے لگی۔



موت کا مینار

خلائی چیف شوگن اپنے سیّارے پر گیا ہوا تھا۔

جب وہ سیاہ پہاڑی کے ویران شہر والے اپنے زیرِ زمین خلائی اسٹیشن پر واپس آیا تو اسے خبر ملی کہ شیبا فرار ہو گئی ہے۔ یہ اس کے لیے بے حد اچنبھے اور حیرت کی بات تھی کہ وہ ایک ایسے قید خانے سے کیسے فرار ہو گئی جہاں سے باہر نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں تھا۔

"ضرور ہمارا کوئی خلائی آدمی اس کے ساتھ مل گیا ہو گا۔"

شوگن غُصّے سے دھاڑا۔ پھر بے چینی اور اضطراب سے ٹہلنے لگا۔ اُس کے اسٹنٹ نے بتایا کہ شیبا کے پاس کوئی ایسا زہریلا ٹیکہ تھا جس کے لگانے سے ہمارے آدمی فوری طور پر ہلاک ہو گئے۔ اور اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ شوگن اس وقت سخت غُصّے کے عالم میں اپنے جدید ترین ریڈار کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کا بٹن دبا کر اس کی اسکرین پر نظریں جما دی۔ ساتھ ساتھ وہ کہہ رہا تھا۔

شیبا اکیلی یہ کام نہیں کر سکتی۔ ضرور عمران اس کی مدد کو پاکستان سے یہاں آ گیا ہو گا۔ گریٹ کنگ نے اس کو بھی پکڑنے کا حُکم دے رکھا ہے۔ طوطم اور خلائی لاش پاکستان میں اس کا سُراغ لگانے میں ناکام ہو گئے ہیں وہ ضرور یہاں آیا ہوا ہے۔ اور وہی شیبا کو کسی طریقے سے یہاں سے نکل

نے گیا ہے۔" اسکرین پر برازیل کے شہروں کی سیکننگ آرہی تھی۔ کمپیوٹر بڑی تیزی سے اِس مُلک کے ہر شہر کے بڑے بڑے ہوٹلوں کا منظر شوگن کو دکھا رہا تھا۔ اچانک ایک منظر پر شوگن کی نظریں اٹک گئیں۔ اس نے بٹن دبا کر منظر کو ساکت کر دیا اور خُوشی سے چلّایا۔

"دیکھو۔ ریو ڈی جنیرو کے ایک ہوٹل کے کمرے میں شیبا سو رہی ہے۔ وہ ہمارا دُشمن عمران بھی یہیں کہیں ہو گا۔"

اور خلائی چیف شوگن نے دوسرا بٹن دبایا۔ خلائی کمپیوٹر نے دوسرے کمرے کا منظر دکھایا۔ اس کمرے میں عمران پانگ پر گہری نیند سو رہا تھا۔ شوگن کے پاس عمران کی تصویر پہلے ہی سے پہنچ چکی تھی۔ اس نے عمران کو فوراً پہچان لیا اور میز پر زور سے مُکّا مار کر بولا۔

"ہمارا دوسرا دُشمن عمران بھی اسی ہوٹل میں ہے؟" اُس نے فوراً اپنے

اسسٹنٹ کوریوڈی جنیرو کے ہوٹل کی فریکونسی بتائی اور کہا :

"ابھی رات کا وقت ہے ۔ تُم لوگ اس دُنیا کی فضا میں بے خطر چل پھر سکتے ہو۔ فوراًاِن دونوں کواِن کے کمروں سے اُٹھاؤاورا پنے خلائی سیّارے پر پہنچادو۔ یہاں لانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ مُجھے خطرہ ہے کہ یہ عیّاریہاں سے پھر فرارہونے کی کوشش کریں گے ۔"

شوگن نے خلاباز طرطوش کو حُکم دیا :

"یہ مشین میں تمہارے سپُرد کرتا ہوں طرطوش! تُم اِسی وقت اپنا سپیس شپ لے کر جاؤاور شیبا اور عمران کو اُٹھا کرا پنے سیّارے اوٹان کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ گریٹ کنگ ہماری اِس کارکردگی پر بہت خوش ہو گا۔ پاکستان میں بیٹھے طوطم اور عاطون بھی وہ کام نہیں کر سکے جو ہم کر دکھائیں گے ۔ فوراًاِسی وقت نکل جاؤ۔"

خلا باز طرطوش نے ہاتھ سینے پر رکھ کر شوگن چیف کو سلیوٹ کیا اور اپنے تین خلا بازوں کے عملے کو ساتھ لے کر اس کمرے میں آگیا جہاں اس کا سپیس شپ یعنی اُڑن تشتری موجود تھی۔ چاروں خلا باز اُڑن تشتری میں بیٹھ گئے۔ اُڑن تشتری کے بے آواز ایٹمی انجن اسٹارٹ کر دیے گئے۔ اس کی بتّیاں بالکل نہ جلائی گئیں تا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ آسمان پر کونسی شے پرواز کرتی جا رہی ہے۔

ایک خاص بٹن دبانے سے زیرِ زمین خلائی اسٹیشن کے اس کمرے کی چھت ایک طرف کو ہٹ گئی اور اُڑن تشتری آہستہ آہستہ زمین سے اُٹھ کر چھت کے شگاف کی طرف جانے لگی۔ چھت کے شگاف سے باہر نکلتے ہی اُڑن تشتری نے ایک جھولا کھایا اور وہ بجلی کی تیزی کے ساتھ آسمان میں غائب ہو گئی۔ چھت دوبارہ بند ہو گئی۔ اُڑن تشتری خلائی رفتار سے جا رہی

تھی۔ اس کی کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ پانچ سیکنڈ کے بعد برازیل کے بڑے شہر ریوڈی جنیرو کے آسمان پر پرواز کر رہی تھی۔ اُڑن تشتری کے کمپیوٹر کو فیڈ کر دیا گیا تھا کہ وہ ہوٹل کہاں ہے اور وہ کمرے کہاں ہیں جہاں شیبا اور عمران سو رہے ہیں اُڑن تشتری کی باہر کی ساری روشنیاں بُجھی ہوئی تھیں صرف اس کے اندر روشنیاں ہو رہی تھیں جو باہر سے بالکل دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

اُڑن تشتری بہت بڑے ہوٹل کی چھت پر آ کر لگ گئی۔ دروازہ کھلا اور طرطوش نیلے خلائی سوٹ میں ملبوس لیزر خلائی گن ہاتھ میں لیے اُڑن تشتری سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے عملے کے دو آدمی بھی باہر نکل آئے۔ اُنھوں نے بھی خلائی سوٹ پہن رکھے تھے اور ہاتھوں میں لیزر گنیں تھیں۔ چھت سے ایک زینہ نیچے جاتا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ دوسری طرف سے

تالا لگا ہوا تھا۔ طرطوش نے خلائی گن کا فائر کیا۔ دروازہ کھُل گیا۔ تینوں خلائی آدمی ہوٹل کا زینہ اُترنے لگے۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا تھا ریو ڈی جنیرو کے اِس جدید ترین ہوٹل میں لوگ اپنے اپنے کمروں میں آرام کی نیند سو رہے تھے۔ یا کہیں کہیں پارٹیوں سے فراغت پا کر سونے کی تیّاریاں کر رہے تھے۔

ہوٹل کے تمام کمروں کا نقشہ ان خلائی آدمیوں کے ذہن میں تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ کہاں جانا ہے۔ ہوٹل کی چھت کا زینہ ایک روشن گیلری میں ختم ہوتا تھا۔ طرطوش آگے آگے تھا۔ وہ لفٹ کی طرف بڑھا تو اچانک ایک کمرے سے نکل کر ہوٹل کا بیرا اُس کے سامنے آگیا۔ بیرے نے اپنے سامنے ایک عجیب و غریب مخلوق کو دیکھا تو اس کا مُنہ کھُلے کا کھُلا رہ گیا۔ وہ وہیں ساکت ہو گیا۔ طرطوش نے اس پر خلائی گن کا فائر کر دیا۔

بیرے کا جسم وہیں جل کر بھسم ہو گیا۔ ایک سیکنڈ پہلے جہاں ایک زندہ انسان کھڑا تھا اب وہاں اس کی جگہ گیلری کے فرش پر راکھ پڑی تھی۔ تینوں خلائی آدمی لفٹ میں سوار ہو کر ہوٹل کی اس منزل پر آ گئے جہاں شیبا اور عمران کے کمرے تھے۔ یہ دونوں کمرے ساتھ ساتھ تھے۔ راہ داری میں کہیں کہیں چھت سے روشنی کی کرنیں نکل رہی تھیں۔

طرطوش نے اشارہ کیا۔ یہ شیبا کا کمرا تھا۔ دونوں خلا باز دائیں بائیں خلائی گنیں تان کر کھڑے ہو گئے۔ طرطوش نے گن کا فائر کر کے دروازے کو کھول دیا۔ ساتھ ہی تینوں خلا باز کمرے میں گھس گئے۔ کمرے میں مدہم سی روشنی ہو رہی تھی۔ شیبا پلنگ پر بے سُدھ ہو کر گہری نیند سو رہی تھی۔ طرطوش نے اپنی خلائی گن کا ایک سُرخ بٹن پیچھے کر دیا۔ اور دوسرے لمحے گن میں سے روشنی کی تیز سُرخ شعاع نکل کر شیبا پر گری۔ اس شعاع

نے شیبا کو نیند میں ہی بے ہوش کر دیا۔ وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی خواب میں یکدم اندھیرا چھا گیا اور پھر شیبا کو کُچھ ہوش نہ رہا۔

طرطوش کے اشارے پر بے ہوش شیبا کو پلاسٹک کے تھیلے میں ڈال کر کاندھے پر اُٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد یہ خلائی مخلوق عمران کے کمرے میں داخل ہوئی۔ عمران بھی گھوڑے بیچ کر گہری نیند سو رہا تھا۔ خلائی گن کی سُرخ روشنی نے عمران کو بھی بے ہوش کر دیا۔ اُسے بھی پلاسٹک کے تھیلے میں ڈال کر اُٹھا لیا گیا۔ تینوں خلائی آدمی کمرے سے نکل کر ہوٹل کی چھت پر جانے والے زینے کی طرف بڑھے۔ اب انہیں راستے میں کوئی نہ ملا۔ وہ بڑے اطمینان سے ہوٹل کی چھت پر آ گئے۔ یہاں اُن کی اُڑن تشتری اندھیرے میں کھڑی تھی۔ شیبا اور عمران کو لے کر یہ خلائی لوگ اُڑن تشتری میں سوار ہو گئے۔ اسی کے ساتھ ہی اُڑن تشتری میں سے

دھیمی سی آواز نکلی اور وہ اوپر اُٹھنے لگی۔ ہوٹل کی چھت سے کوئی سو فیٹ بُلند ہونے کے بعد اُڑن تشتری ایک جھولے کے ساتھ فضا کی وُسعتوں میں اُڑتی ہوئی گُم ہو گئی۔

اُڑن تشتری کی رفتار زمین کی فضا میں عام خلائی راکٹ سے دو گنا زیادہ تھی۔ وہ چند لمحوں میں زمین کی فضا سے نکل کر خلا اور زمینی فضا کے درمیانی علاقے میں آ گئی۔ یہاں اس کی رفتار میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ ایک قیامت کا دھماکہ ہوا اور اُڑن تشتری زمین کے مدار کے مقناطیسی علاقے کو پار کر کے خلا میں داخل ہو گئی۔ اسے ہمارے نظامِ شمسی کو عبور کرنا تھا۔ یہ کوئی معمولی فاصلہ نہیں تھا۔ لیکن اُڑن تشتری ہر قسم کے جدید ترین خلائی سائنسی آلات سے لیس تھی۔ خلا میں داخل ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہو گئی۔ یہ روشنی کی رفتار

تھی۔ اگر اُڑن تشتری میں ہوا کے دباؤ کا مکمل انتظام نہ کیا گیا ہوتا تو اس رفتار میں داخل ہوتے ہی بے ہوش عمران اور شیبا کے جسم پھٹ جاتے مگر اُڑن تشتری میں اتنا دباؤ موجود تھا جتنے دباؤ کی عمران اور شیبا کے جسموں کو ضرورت تھی۔

اُڑن تشتری روشنی کی رفتار سے سفر کرتی ہوئی دیکھتے دیکھتے ہمارے نظامِ شمسی کے آخری ستارے پلوٹو سے بھی آگے نکل گئی۔ پلوٹو ہمارے نظامِ شمسی کا آخری ستارہ ہے اور وہاں اس قدر سردی ہے کہ ہم اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ ایک سائنس دان نے پلوٹو کی سردی کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کا کُچھ اندازہ ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ ہماری زمین کے پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کو ہم پلوٹو سیّارے کی آگ کہہ سکتے ہیں۔ نظامِ شمسی سے نکلنے کے بعد اُڑن تشتری کی رفتار اور زیادہ بڑھ گئی۔ جس طرح

ہمارا ایک نظامِ شمسی ہے یعنی ہمارے سورج کے گرد گردش کرنے والے نو سیّارے ہیں، اِسی طرح اِس کائنات میں اربوں کھربوں بلکہ اِس سے بھی زیادہ نظام ہائے شمسی ہیں ان ہی میں سے ایک نظامِ شمسی ایسا بھی تھا جس کے سورج کے تیسرے سیّارے کا نام اوٹان تھا اور یہ خلائی مخلوق اُسی سیّارے سے ہماری زمین پر آئی تھی۔ اگر کوئی خلائی راکٹ عام رفتار سے ہماری زمین سے نکل کر اوٹان سیّارے کی طرف روانہ ہو تو اسے وہاں تک پہنچتے پہنچتے ایک اندازے کے مطابق دو کروڑ سال لگ جائیں مگر اُڑن تشتری کی رفتار روشنی سے بھی زیادہ تھی۔ چناں چہ وہ ہماری زمین کے وقت کے حساب سے دو گھنٹوں میں اپنے سیّارے کے نظامِ شمسی میں داخل ہو گئی۔

طرطوش اُڑن تشتری کے پینل پر بیٹھا تھا۔ اس نے کمپیوٹر پر اوٹان

سیّارے سے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ اچانک کمپیوٹر کی سکرین پر اوٹان سیّارے کے گریٹ کنگ کی شکل اُبھری۔ یہ ایک ایسے شخص کی شکل تھی جس کی آنکھیں بلّی کی آنکھوں کی طرح ترچھی تھیں۔ بال سر کے اوپر محراب کی طرح تکونے انداز میں کھڑے تھے۔ جسم کا رنگ اِن خلائی آدمیوں کے جسموں کی طرح نیلا تھا اور آنکھوں سے بھی نیلی روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

طرطوش نے اپنی زبان میں کہا :

"گریٹ کنگ کو مبارک۔ ہم نے زمین پر اپنے خلاف جاسوسی کرنے والے عمران اور شیبا کو اغوا کر لیا ہے۔ زمین کے سیّارے پر یہی دو انسان تھے جن پر ہمارے مشن کا راز کھُل چکا تھا۔ ہم اُنہیں لے کر اپنے سیّارے پر پہنچنے والے ہیں۔"

گریٹ کنگ کی آنکھیں مزید چمک اُٹھیں۔ اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔"

اور اِس کے ساتھ ہی کمپیوٹر کی سکرین پر اوٹان سیّارے کے خلائی ڈکٹیٹر گریٹ کنگ کی شکل غائب ہو گئی۔ طرطوش نے کمپیوٹر کا فیز بدل دیا اور اب سکرین پر اوٹان سیّارے کی نیلی گیند ایسی تصویر اُبھر آئی۔ یہ گیند آہستہ آہستہ قریب ہو رہا تھا۔ پھر اُڑن تشتری خلائی سیّارے اوٹان کی فضا میں داخل ہو گئی۔ فضا میں داخل ہوتے وقت اُڑن تشتری کو ہلکا سا دھچکا لگا جس طرح زمین کی فضا سے نکلتے وقت لگا تھا۔ ہماری زمین کی طرح سیّارہ اوٹان بھی سورج کی طرف سے تیسرا سیّارہ تھا۔ ہمارے سورج کا پہلا سیّارہ عطارد آتا ہے جسے انگریزی میں مرکزی کہتے ہیں۔ دوسرا سیّارہ زہرہ یا وینس آتا ہے اور تیسرا سیّارہ ہماری زمین ہے۔ ہماری زمین کی طرح

اوٹان سیّارہ بھی سورج سے اِتنے فاصلے پر تھا کہ سورج کی تابکاری اُس کے لیے زندگی کی نشوونما کا باعث بن گئی تھی۔ مگر کسی خلائی انقلاب کی وجہ سے اوٹان سیّارے کی فضا ایک خاص عنصر سے محروم ہو گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ یہاں کی خلائی مخلوق کے جسم نیلے تھے۔ آنکھیں بلّی کی آنکھوں کی طرح تِرچھی تھیں اور یہ مخلوق سورج کی تابکاری زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اِس پر ایک خلائی وائرس کا شدید حملہ ہوا تھا اور ہزاروں خلائی مخلوق مر گئی تھی۔ پھر گریٹ کنگ کے حُکم سے ہماری زمین پر سے نامور خاتون سائنس دان ڈاکٹر سلطانہ کو اغوا کر کے اوٹان سیّارے پر لایا گیا تھا۔ ڈاکٹر سُلطانہ خلائی مخلوق کا حُکم ماننے پر مجبور تھی چنانچہ اُس کی دِن رات کی محنت اور خلائی وائرس پر تحقیق کی بدولت اوٹان سیّارے پر پھیلی ہوئی بیماری کا خاتمہ ہو گیا۔ گریٹ کنگ نے ڈاکٹر سُلطانہ

کو ایک پہاڑی کے اوپر فلیٹ میں قید کر رکھا تھا۔ اگرچہ اُسے گریٹ کنگ کے شاہی محل میں آنے کی اجازت تھی مگر اس کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی اور اُسے اِس علاقے میں جانے کی اجازت نہیں تھی جہاں اُڑن تشتریوں کے زمین دوز بنکر بنے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر سُلطانہ صبر شُکر کر کے بیٹھ گئی تھی۔ وہ اس بات پر بڑی حیران تھی کہ اوٹان سیّارے کی فضا سوائے چند ایک باتوں کے بالکل ہمارے زمینی سیّارے کی طرح تھی۔ کبھی کبھی ڈاکٹر سُلطانہ کو اپنا سر چکراتا اور جسم گرتا ہوا محسوس ہوتا مگر خلائی سائنس دان کی کارروائی اُسے ٹھیک کر دیتی۔ اوٹان سیّارے کے درختوں اور گھاس کا رنگ بھی نیلا تھا۔ خلائی لوگ زیادہ تر گھروں کے اندر رہ کر کام کرتے تھے۔ صرف رات کو باہر نکلتے تھے۔ کیونکہ دِن کے وقت سورج کی تابکاری میں زیادہ دیر چلنے پھرنے سے اِن کے جسم جلنے لگتے تھے۔ یہ

خلائی مخلوق سائنس میں بہت ترقّی کر چکی تھی۔ ہم لوگ ابھی تک صرف ٹیلی ویژن اسٹیشن سے گانے والے یا خبریں پڑھنے والے کے عکس کے ذرّات کو ریڈیائی لہروں میں تبدیل کر کے انٹینا کی مدد سے ٹی وی سیٹ کی اسکرین تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں جبکہ سیّارہ اوٹان کے سائنس دان خلائی انسان کے جیتے جاگتے جسم کے ذرّات کو روشنی کی رفتار کے ساتھ ایک سیّارے سے دوسرے سیّارے میں پہنچا دیتے تھے۔ اس سیّارے پر سورج کی روشنی اور حرارت کی تابکاری بڑھ رہی تھی اور اس کا واحد حل یہاں کے سائنس دانوں نے گریٹ کنگ کو یہ بتایا تھا کہ زمین پر سے صحت منداور ذہین نوجوانوں کو لا کر اُن کی شادیاں یہاں کی مخلوق سے کرائی جائیں تاکہ اوٹان کی آنے والی نسل میں سورج کی بڑھتی ہوئی تابکاری کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ اسی وجہ سے گریٹ کنگ کے

منصوبے کے مطابق ہماری زمین پر دو جگہوں پر خلائی مخلوق نے زیرِ زمین اپنے خُفیہ خلائی اسٹیشن قائم کر لیے تھے۔ ایک ہماری زمین پر آسیبی قبرستان کے ٹیلوں کے نیچے تھا اور دوسرا براعظم جنوبی امریکا کے ایک مُلک برازیل کی شمال مشرقی سیاہ پہاڑیوں کے گمشدہ ویران شہر کے شکستہ مینار کے نیچے قائم کیا گیا تھا جہاں پر شیبا فرار ہوئی تھی۔ اوٹان خلائی مخلوق کا قاتل مشن یہ تھا کہ زمین پر سے تمام صحت مند لڑکے لڑکیوں اور ذہین افراد کو اغوا کر کے اپنے سیّارے پر لایا جائے اور پھر انتہائی طاقتور خلائی ایٹمی نظام کی مدد سے زمین کو تباہ کر دیا جائے۔ گریٹ کنگ اسی خطرناک قاتل مشن پر کام کر رہا تھا۔

اُڑن تشتری میں سے طرطوش اور اس کے تینوں ساتھیوں کو گریٹ کنگ کا جدید ترین سائنسی محل صاف نظر آنے لگا تھا۔ طرطوش نے اُڑن تشتری

کو ہیلی پیڈ پر اُتار دیا۔ یہ اوٹان سیّارے کے خلائی اسٹیشن کی جدید ترین عمارت تھی جو ساری کی ساری نیلے شیشے کی بنی ہوئی تھی۔ یہ ایسا نیلا شیشہ تھا کہ جس کے باہر سے آدمی کو اندر کی کوئی شے نظر نہیں آتی تھی۔ مگر اندر سے باہر سب کُچھ دکھائی دیتا تھا۔ اس عمارت کے پیچھے نیلے درختوں کے ایک پلاٹ کے درمیان اوٹان سیّارے کے ڈکٹیٹر گریٹ کنگ کا عالی شان نیلا محل تھا۔ یہ محل بھی جدید طرز کا تھا جس کے درمیان میں ایک نیلا تکونا مینار بنا ہوا تھا۔ خلائی اسٹیشن اور گریٹ کنگ کے محل کے نیچے سیکڑوں فیٹ کی گہرائی تک خلائی لیبارٹریز بنی ہوئی تھیں جہاں دِن رات جدید سائنسی فارمولوں پر کام ہوتا تھا۔ یہاں گھروں میں کوئی کھانا نہیں پکاتا تھا۔ ناشتے اور کھانے میں صرف نیلے رنگ کی چھوٹی گولیاں پانی سے نگل لیتے تھے اور ان کی بھوک پیاس مٹ جاتی تھی۔

طرطوش نے خلائی اسٹیشن پر اُترتے ہی سگنل دیا۔ ایک ہیلی کاپٹر عمارت کی چوتھی منزل پر سے اُڑ کر نیچے آگیا۔ اس ہیلی کاپٹر کے پنکھے بالکل نہیں تھے۔ اُوپر سے نیلے بُلبُلے کی طرح تھے۔ کاک پٹ میں نیلے خلائی سوٹ میں ملبوس ایک پائلٹ بیٹھا تھا۔ طرطوش نے اُڑن تشتری میں سے بے ہوش عمران اور شیبا کے تھیلے نکلوا کر ہیلی کاپٹر پر رکھوائے اور خود زیرِ زمین اسٹیشن پر آگیا۔ ایک نیلی گاڑی ہر ایک منٹ کے بعد وہاں آکر رُکتی اور پھر آگے نکل جاتی تھی۔ طرطوش اِس گاڑی کے بُلبُلہ نما نیلے ڈبّے میں سوار ہوگیا۔ ٹرین طوفانی رفتار کے ساتھ زیرِ زمین سُرنگ میں سے گزرتی ہوئی اسٹیشن پر رُک گئی۔ طرطوش یہاں سے لِفٹ میں بیٹھ کر اُوپر چڑھا اور گریٹ کنگ کے شاہی محل کے ویٹنگ روم میں آگیا۔ اس نے گریٹ کنگ کو اپنی آمد کی اِطّلاع بھجوائی۔ گریٹ کنگ نے فوراً اسے طلب کرلیا۔

گریٹ کنگ کا کمرا شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ دیوار میں فرش اور چھت نیلے شیشے کی بنی ہوئی تھیں۔ وہ خود ایک اُونچے چبوترے پر نیلی کُرسی پر بیٹھا تھا۔ دو خلائی محافظ اس کے دائیں بائیں بالکل ساکت کھڑے تھے۔

طرطوش نے جاتے ہی سینے پر ہاتھ رکھ کر سلیوٹ کیا۔ گریٹ کنگ نے آہستہ سے اپنا سر ہلایا اور پوچھا۔

"شیبا اور عمران کو لے آئے طرطوش؟"

طرطوش نے سر جھکایا اور بولا:

"آپ کا حُکم تھا گریٹ کنگ۔ میں اُنہیں اُن کے ہوٹل سے اُٹھا لایا ہوں۔"

گریٹ کنگ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ پتھرّ کی طرح ساکت تھا۔ ترِچھی آنکھوں میں سے ہلکی ہلکی نیلی کِرنیں پھُوٹ رہی تھیں۔ اس نے

بھاری آواز میں کہا: "طوطم اور عاطون سے جو کام نہ ہو سکا وہ تُم نے کر دکھایا۔ ہم تُم سے خوش ہیں۔"

طرطوش نے ایک بار پھر سر کو جھُکایا اور بولا:

"یہ میری خوش قسمتی ہے گریٹ کنگ!"

گریٹ کنگ نے کہا:

"زمینی سیّارے پر یہی دو انسان شیبا اور عمران ہمارے قاتل مشن سے واقف ہو گئے تھے اور اُنھوں نے ہمارے خُفیہ اسٹیشن کو بھی دیکھ لیا تھا۔ یہ ہمیں کسی بھی وقت سخت نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اب یہ اپنی باقی عُمر ہمارے سیّارے پر قید میں بسر کریں گے۔ جاؤ اُنہیں ڈیتھ ٹاور میں لے جا کر قید کر دو۔ اُنہیں ٹاور سے باہر نکلنے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی۔"

"ایسا ہی ہوگا گریٹ کنگ!"

طرطوش نے سر جھکاتے ہوئے کہا اور سلیوٹ کر کے واپس چل دیا۔ عمران اور شیبا خلائی اسٹیشن کے ایک زمین دوز کمرے میں اس طرح بے ہوش پڑے تھے۔ طرطوش نے دونوں کو ایک خاص ہیلی کاپٹر پر لادا اور ڈیتھ ٹاور کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہ ڈیتھ ٹاور یعنی موت کا مینار سیّارے کے اِس اکلوتے خلائی شہر سے باہر ایک نیلے جنگل کے کنارے کالے پانی کی جھیل کے درمیان بڑی بڑی چٹّانوں پر بنا ہوا تھا۔ اس مینار کی آخری منزل میں سطح زمین سے پچاس فیٹ کی بلندی پر دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کمروں میں ایلو مینیم کے سٹریچر نما پلنگ اور میز کُرسیاں تھیں۔ باتھ روم بھی تھے۔ ہر کمرے میں صرف ایک کھڑکی تھی جو جھیل کی طرف نکلتی تھی۔ اِن کھڑکیوں میں فولادی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اوٹان سیّارے کی ہر

عمارت کی طرح یہاں ایسا خود کار نظام لگا دیا گا تھا کہ اگر فضا میں خنکی بڑھے تو اپنے آپ کم ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سیّارے اوٹان کی ہر عمارت میں سارا سال ایک جیسی خوشگوار فضا قائم رہتی تھی۔ کمرے چھوٹے تھے اور ان کی دیوار میں سخت نیلے پتھرّ کی تھیں۔ یہ آتش فشاں پہاڑوں کے پتھرّ تھے جو ٹوٹ نہیں سکتے تھے۔

طرطوش نے ہیلی کاپٹر میں سے بے ہوش عمران اور شیبا کو نکال کر موت کے مینار کے الگ الگ کمروں میں پہنچا دیا اور دروازے کمپیوٹر کے ذریعہ سے مقفّل کر دیے۔ پھر وہ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ شیبا اور عمران کو کُچھ دیر بعد ہوش آنے والا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ سب سے پہلے عمران کو ہوش آیا۔ وہ یہی سمجھا کہ گہری نیند سو کر جاگا ہے۔ اُس نے آنکھیں کھول کر کلمۂ شہادت پڑھا اور مُنہ پر ہاتھ پھیر کر

آنکھیں بند کر لیں اور سائیڈ ٹیبل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ اپنی طرف سے ٹیلیفون کرنا چاہتا تھا مگر اُس کا ہاتھ نیچے گر پڑا۔ میز وہاں نہیں تھی۔ تب عمران نے آنکھیں کھول دیں اور چھت کو غور سے دیکھا۔ ایک دم اسے احساس ہو گیا کہ وہ ہوٹل والے کمرے میں نہیں ہے۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ہوٹل کے پلنگ کی بجائے وہ اسٹریچر نما بستر پر ہے اور سامنے کھڑکی کی سلاخوں میں سے غروب ہوتے ہوئے سورج کی پھیکی قرمزی روشنی اندر آرہی ہے۔ وہ لپک کر کھڑکی کے پاس آگیا۔



بہرام قاتل خلا میں

کھڑکی کے نیچے کالے رنگ کی جھیل دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے نیلے رنگ کے درختوں والا جنگل تھا۔ عمران نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان کا رنگ بھی بھورا اور گندھک کی رنگ کی طرح کا تھا۔ عمران نے گہرا سانس اُوپر کھینچا۔ اسے ہوا میں آکسیجن کے علاوہ کسی دوسری گیس کا بھی احساس ہوا۔ یہ گیس اُس کے گلے میں ہلکی سی خراش پیدا کر رہی تھی۔

اب تو عمران گھبرا گیا۔

اُس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ مگر دروازہ بند تھا۔ وہ زور زور سے دروازے پر کے مارنے لگا۔ اُس نے چیخ کر آواز دی۔

"بیرا! بیرا! شیبا! شیبا!" اُس کی آواز بند کمرے کے نیلے پتھرّوں سے ٹکرا کر رہ گئی۔ وہ پریشان ہو کر اسٹریچر پر بیٹھ گیا اور دیواروں اور چھت کو گھورنے لگا۔ کونے میں اُسے نیلے رنگ کا ایک چھوٹا دروازہ نظر آیا۔ یہ دروازہ کھُلا تھا۔ وہ جلدی سے اس میں داخل ہوا۔ یہ چھوٹا سا بڑا شفاف اور چمکیلا باتھ روم تھا جہاں نیلا شیشہ لگا تھا۔ شیشے میں عمران کو اپنا چہرہ بھی نیلا دکھائی دیا۔ کارنس پر ایلومینیم کی ایک ڈبّی پڑی تھی۔ اُس نے ڈبّی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دیوار سے دھیمی سی آواز آئی۔

"عمران! اِس ڈبّی میں تمہارے رات کے کھانے، دوپہر کے لنچ اور صُبح

کے ناشتے کے لیے نیلی گولیاں ہیں۔ ناشتے پر ایک گولی، لنچ پر دو گولیاں اور رات کے کھانے پر بھی دو گولیاں ہی کافی ہوں گی۔"

عمران نے چلّا کر کہا:

"تُم کون ہو؟ میں کہاں آگیا ہوں؟ شیبا کہاں ہے۔ وہ ہوٹل کہاں ہے؟"

وہی خلائی آواز پھر آئی:

"عمران! چلّا کر اپنی طاقت ضائع نہ کرو۔ اب تمہیں باقی ساری عمر اسی کمرے میں گزارنی ہے۔ تمہاری بہن شیبا اِس مینار کی دوسری اور نچلی منزل کے کمرے میں قید ہے۔ وہ بھی ساری زندگی اپنے کمرے میں ہی گزارے گی۔ تُم دونوں ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکو گے۔"

عمران چلّایا:

”میں کہاں ہوں؟ کہاں ہوں میں؟“

خلائی آواز نے آہستہ سے کہا:

”چلّانے سے کوئی فائدہ نہیں عمران! تُم ہمارے سیّارے اوٹان میں ہو۔ یہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ چونکہ تُم اور شیبا زمین پر ہمارے خُفیہ خلائی ٹھکانوں سے واقف ہو چکے تھے اس لیے تُم اس وقت تک زمین پر واپس نہیں جاؤ گے جب تک کہ ہمارا قاتل مشن مکمّل نہیں ہو جاتا۔ اور جب ہمارا مشن مکمّل ہو جائے گا تو ہم تمہاری دُنیا کو تباہ کر دیں گے۔ اس کے سمندروں کو خُشک کر دیں گے۔ پھر تُم وہاں جا کر کیا کرو گے۔ اس لیے اس کمرے کو اپنا ہمیشہ کا گھر اور ہمیشہ کی قبر سمجھو۔“

عمران نے چیخ کر کہا۔ ”مُجھے شیبا سے بات کرنی ہے۔ مُجھے شیبا سے بات کرنے دو۔“

مگر خلائی آواز نے کوئی جواب نہ دیا۔ کمرے میں موت کا سنّاٹا چھا گیا۔ عمران سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی جیب دیکھی۔ سانپ بھی نہیں تھا۔ حالت شیبا کی بھی ہوئی۔ جب اُسے ہوش آیا تو وہ یہی سمجھی کہ ریوڈی جنیرو والے عالی شان ہوٹل کے کمرے میں ہے۔ لیکن بہت جلد اس پر یہ تلخ حقیقت کھُل گئی کہ اُسے کسی اجنبی جگہ پر پہنچا دیا گیا ہے۔ جب اُس نے بھی دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارے تو پُراسرار خلائی آواز نے اُسے بھی بتا دیا کہ وہ زمین سے اغوا کر کے سیّارہ اوٹان میں پہنچا دی گئی ہے۔ اسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ عمران اِسی موت کے مینار کی اُوپر والی منزل پر قید ہے اور اب وہ دونوں ساری زندگی اِن کمروں میں ہی بسر کریں گے اور موت کے بعد ان کی قبریں بھی اسی کمرے میں بنیں گی۔

شیبا بھاگ کر سُلاخوں والی کھڑکوں کے پاس گئی۔ نیچے کالے پانی کی جھیل

تھی۔ پیچھے نیلے درختوں کے جنگل تھے۔ آسمان جو پہلے بھورا تھا سورج غروب ہو جانے کے بعد گہرا نیلا اور سیاہ ہو رہا تھا۔ شیبا نے سلاخوں کے ساتھ مُنہ لگا کر پوری طاقت سے عمران کو آواز دی۔ عمران نے شیبا کی آواز سُنی تو دوڑ کر اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس آگیا۔ چلّا کر بولا۔

"شیبا! میں اُوپر والے کمرے میں ہوں۔ ہم اوٹان سیّارے پر پہنچا دیے گئے ہیں۔ مگر تُم گھبرانا نہیں۔ ہم انشاء اللہ یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

شیبا کی اونچی آواز آئی:

"عمران! تُم بھی مت گھبرانا۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اِس کے ساتھ ہی کھڑکی پر ایک نیلا شیشہ اُوپر سے نیچے گِرا۔ اور عمران کو

شیبا کی آواز آئی بند ہو گئی۔ عمران نے کُرسی پکڑ کر شیشے کو توڑنے کی کوشش کی تو وہی پر اسرار خلائی آواز پھر سُنائی دی :

"اپنی طاقت اس طرح خرچ کرو گے تو جلدی مر جاؤ گے۔ یہ شیشہ تمہاری دُنیا کے پستول کی گولی سے بھی نہیں ٹوٹے گا۔ ایسا ہی شیشہ شیبا کی کھڑکی پر بھی گِرا دیا گیا ہے۔ اب تُم ایک دوسرے کی آواز بھی نہیں سُن سکو گے۔ موت تمہارے ساتھ ہے۔" اور خلائی آواز غائب ہو گئی۔

اِس خلائی شہر کے جنوب کی طرف ایک ویران پہاڑی پر چھوٹا سا نیلے شیشوں والا چوکور مکان بنا ہوا تھا۔ اِس مکان میں ہماری دُنیا کی نامور خاتون سائنس دان ڈاکٹر سُلطانہ کو رکھا گیا تھا، ڈاکٹر سُلطانہ کو شیبا اور عمران سے بہت پہلے زمین سے اغوا کر کے یہاں لایا گیا تھا تاکہ وہ سیّارہ اوٹان پر پھیلی ہوئی وائرس کی بیماری کا علاج کر سکے کیونکہ میڈیکل سائنس میں اوٹان

سیّارے کی مخلوق زیادہ ترقّی یافتہ نہیں تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں ڈاکٹر سُلطانہ نے یہاں پہنچنے کے بعد اپنی محنت اور لیاقت سے بیماری کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد اس نے گریٹ کنگ سے درخواست کی کہ اسے واپس زمین پر بھیج دیا جائے تو گریٹ کنگ نے کہا :

"ہمیں پھر بھی تمہاری ضرورت پڑے گی۔ تُم ہمارے سیّارے کے لیے بہت ضروری ہو۔ اب تُم ہمارے سیّارے پر ہی رہو گی۔ اپنی زمین کو بھول جاؤ۔ تمہارے ساتھ یہ رعایت ہو گی کہ تُم ہماری نگرانی میں اپنے گھر سے ہمارے خلائی اسٹیشن تک آ سکو گی مگر اسی صورت میں جب تمہیں یہاں بُلایا جائے گا۔ اس کے علاوہ تُم اپنے مکان سے باہر نہیں جا سکو گی۔"

ڈاکٹر سُلطانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ

آیا تھا کہ کوئی خلائی مخلوق اسے زمین سے اغوا کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے سیّارے پر لے جا کر قید کر دے گی۔ اس نے کُچھ کہنا چاہا تو گریٹ کنگ نے خلائی گارڈز سے کہا۔

"اِسے اِس کے مکان پر پہنچا دو۔"

ڈاکٹر سُلطانہ کو دو خلائی گارڈ اپنی سخت نگرانی میں اس کے پہاڑی والے مکان پر لا کر چھوڑ گئے۔ اِس مکان کی دیوار میں بھی نیلے شیشوں کی تھیں جِن میں باہر سے کُچھ نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ اِس کے دروازے اس طرح بند کیے گئے تھے کہ صرف خلائی اسٹیشن کے چیف آپریٹر کے سگنل دینے پر ہی کھُل سکتے تھے۔

جب شیبا اور عمران بھی سیّارے پر لا کر قید کر دیے گئے تو ڈاکٹر سُلطانہ کو اُن کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ خلائی مخلوق نے بھی ڈاکٹر سُلطانہ کو بتانے کی

ضرورت محسوس نہ کی۔ ڈاکٹر سُلطانہ کے باورچی خانہ میں بھی مختلف قسم کی نیلی گولیاں پڑی تھیں۔ یہ ناشتے اور رات کے کھانے کی گولیاں تھیں۔ اُنھیں کھانے کے بعد سُلطانہ کو ایسے ہی محسوس ہوتا جیسے اس نے جی بھر کر کھانا کھا لیا ہے۔ مگر ڈاکٹر سُلطانہ نے بھی ہمّت نہیں ہاری تھی۔ وہ اپنے مکان پر زیادہ تر وقت اللہ کو یاد کرنے میں گزارتی۔ ہر نماز کے بعد اللہ کے حضور گڑگڑا کر دُعا مانگتی کہ وہ اسے اس عذاب سے نجات دلائے۔ مگر بظاہر ڈاکٹر سُلطانہ کو یہاں سے واپس اپنی زمین پر پہنچنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ صرف اللہ ہی اس کی مدد کر سکتا تھا۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لیے اپنی زمین، اپنی دُنیا پر واپس آتے ہیں۔ جس وقت ریو ڈی جنیرو کے ہوٹل میں خلائی مخلوق شیبا اور عمران کو ان کے کمروں سے اغوا کر کے اپنے سیّارے پر لے گئی اس وقت عمران کے

کمرے میں سانپ بھی موجود تھا مگر یہ سانپ کی بد قسمتی یا خوش قسمتی تھی
کہ ڈریسنگ ٹیبل کے ایک خانے میں پڑے پڑے اُسے نیند آ گئی تھی۔
ویسے خلائی مخلوق نے بھی کسی قسم کا شور نہ کیا تھا۔ بڑی تیزی اور خاموشی
سے عمران اور شیبا کو بے ہوش کر کے اٹھا کر لے گئے تھے۔

سانپ کو بہت کم نیند آتی ہے۔ لیکن یہ کالا سانپ ایک پُر اسرار ہستی
تھی۔ عین اس وقت جبکہ کمرے سے عمران کو اُٹھا کر لے جایا جا رہا تھا
سانپ گہری نیند میں تھا۔ کُچھ دیر بعد اس کی آنکھ کھُل گئی۔ یونہی وہ ٹیبل
کے خانے میں سے رینگ کر باہر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ عمران کا بستر
خالی ہے۔ وہ سمجھا کہ عمران باتھ روم میں کیا ہو گا۔ وہ وہیں ٹیبل کے پاس
قالین پر کُنڈلی مارے بیٹھا رہا۔ جب کافی دیر ہو گئی اور عمران غُسل خانے
سے باہر نہ نکلا تو سانپ کو تشویش ہوئی۔ وہ غُسل خانے کی طرف گیا۔

غُسل خانے کا دروازہ آدھا کھُلا تھا۔ عمران اندر نہیں تھا۔

ناگ سانپ نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ یہ دروازہ تھوڑا سا کھُلا تھا۔ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس روشنی میں اسے دروازے کا پٹ تالے کی جگہ پر جلا ہوا نظر آیا۔ سانپ تیزی سے دروازے کے باہر راہ داری میں آ گیا۔ باہر نیم روشن راہ داری خالی پڑی تھی۔ سانپ نے دوبارہ دروازے پر نگاہ ڈالی۔ باہر سے بھی تالا اُکھڑا ہوا تھا اور وہاں سے لکڑی جل کر سیاہ ہو گئی تھی۔ جیسے کسی نے وہاں شُعلہ پھینک کر اِسے جلا دیا ہو۔ سانپ کے دِل میں ایک عجیب سا خوف اُبھرا۔ وہ تیزی سے رینگتا ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں شیبا سوئی ہوئی تھی یا جہاں شیبا کو سویا ہوا ہونا چاہیے تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا دِل زور سے دھڑکا کہ شیبا کے دروازے کا تالا بھی اُکھڑا ہوا تھا اور تالے کی جگہ لکڑی جل کر سیاہ ہو گئی

تھی۔

دروازہ کھُلا تھا۔ سانپ کمرے میں آگیا۔ شیبا کا پلنگ بھی خالی تھا۔ سانپ وہیں چُپ سا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کا ذہن تیزی سے صورت حال کا تجزیہ کر رہا تھا اور وہ ان واقعات سے اصل نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خلائی مخلوق کی اپنی زمین پر موجودگی اور اُن کے ناپاک منصوبوں سے سانپ پوری طرح واقف تھا۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ شیبا کو وہ اور عمران خلائی مخلوق کی کمیں گاہ سے بھگا کر لائے ہیں اور خلائی مخلوق ان کے پیچھے ضرور آئے گی۔ جلا ہوا دروازہ اس بات کی علامت تھی کہ وہاں خلائی گن کی شعاع سے فائر کیا گیا ہے۔

تو کیا شیبا اور عمران کو خلائی مخلوق دوبارہ اغوا کر کے لے گئی ہے؟ سانپ کے دماغ میں اپنے آپ یہ سوال گونجنے لگا۔ وہ جلدی سے سیڑھیاں طے

کر کے آخری منزل کی راہ داری میں آ گیا۔ یہاں اسے لفٹ کے دروازے کے آگے قالین پر جلا ہوا نشان ملا۔ وہاں سفید اور سیاہ راکھ بھی بکھری ہوئی تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں خلائی مخلوق نے اپنی قاتل گن سے ہوٹل کے بیرے کو بھسم کیا تھا اور وہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ سانپ نے جھُک کر راکھ کو سونگھا۔

وہ تڑپ کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ انسانی جسم کی راکھ تھی۔ سانپ رینگ کر ہوٹل کی چھت پر آ گیا۔ اس وقت وہاں سے اُڑن تشتری پرواز کر کے خلاؤں میں گُم ہو چکی تھی۔ سانپ نے چھت کے فرش کو غور سے دیکھا۔ اُسے سونگھا۔ وہاں اُسے عمران اور شیبا میں سے کسی کی خوش بُو محسوس نہ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں کو پلاسٹک کے تھیلوں میں بند کر کے چھت پر لایا گیا تھا۔ سانپ نے اپنی خاص حِس سے کام لیتے ہوئے ایک گہری

پھنکار فضا میں پھینکی اور پھر فرش کو سونگھا۔ اب اسے وہاں سے عمران اور شیبا کی بہت ہی مدھم مدھم خوش بُو محسوس ہوئی۔

اب سانپ کو کسی قسم کا شُبہ نہیں رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ عمران اور شیبا کو خلائی مخلوق اغوا کر کے لے گئی ہے۔ سانپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان دونوں کو خلائی مخلوق کہاں لے گئی ہے۔ یعنی کیا اُنہیں واپس گُم شدہ شہر والی خلائی کمیں گاہ میں لے جایا گیا ہے یا خلائی مخلوق اُسے لے کر پاکستان میں واقع قریبی قبرستان والی خُفیہ زیرِ زمین کمیں گاہ میں لے گئی ہے۔ سانپ واپس عمران کے کمرے میں آ کر سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ عمران اور شیبا کو کہاں تلاش کرے۔

ابھی رات باقی تھی۔ سانپ کے دِل میں خلائی مخلوق کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ ہر حالت میں عمران اور شیبا کو خلائی مخلوق کی قید

سے واپس لانا چاہتا تھا۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں خلائی مخلوق ان دونوں کو ہلاک نہ کر ڈالے۔ کیونکہ دُنیا میں عمران اور شیبا اس آسمانی مخلوق کی خُفیہ کمیں گاہوں کے راز سے واقف ہو چکے تھے۔

ابھی تک ہم نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ یہ سانپ اصل میں کون ہے اور اس میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ انسانی آواز میں بات کر سکتا تھا۔ ہم نے صرف اتنا ہی اشارہ دیا ہے کہ یہ سانپوں کا بادشاہ ہے. جس کی دُنیا کا ہر سانپ عزّت کرتا اور اس کا حُکم مانتا ہے اور ابھی ہم آپ کو سانپ کے بارے میں کُچھ زیادہ تفصیل بتانا بھی نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس وقت ہمارے سامنے سب سے اہم مسئلہ عمران اور شیبا کی رہائی اور اپنے پیارے وطن اور پیاری دُنیا کو خلائی مخلوق کے قاتل مشن سے بچاتا ہے۔
سانپ بھی اسی پریشانی میں اُلجھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے بھی یہی سب

سے اہم ترین کام اور مشن تھے۔

سانپ خاموش نیم روشن کمرے میں کُنڈلی مارے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اسے کس طرف نکلنا چاہیے۔ آخراس نے فیصلہ کیا کہ وہ سب سے پہلے برازیل کے پہاڑی علاقے والے گُمشدہ شہر کے کھنڈروں میں جائے گا تاکہ وہاں کی خلائی کمیں گاہ میں دونوں کا سُراغ لگایا جائے۔ کیونکہ یہ خلائی کمیں گاہ اسی ملک میں واقع تھی۔

سانپ صُبح ہونے سے پہلے ریوڈی جنیرو شہر سے نکل جانا چاہتا تھا تاکہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ اس نے خالی کمرے میں آخری بار چاروں طرف دیکھا اور کمرے کی کھڑکی میں آگیا۔ یہاں سے دیوار پر رینگتا وہ نیچے ہوٹل کے باغ میں اُتر آیا۔ باغ میں روشنی تھی مگر رات ہونے کی وجہ سے وہاں کوئی نہیں تھا۔ سانپ تیز تیز رینگتا وہاں سے گزر کر دوسری جانب بڑی

سڑک پر آ گیا۔ اسے اچھّی طرح معلوم تھا کہ ریوڈی جنیرو کے ہوائی اڈّے سے جہاز پاپولوس کی طرف جائے گا۔ اُسے اِس جہاز میں سوار ہونا تھا تاکہ پاپولوس سے آگے سیاہ پہاڑی تک سفر کر سکے۔ یہ ایک طویل سفر تھا اور خطرناک بھی تھا۔ خطرناک اِس طرح کہ راستے میں گھنے جنگل، مگرمچھوں سے بھرا ہوا دریا اور گہری دلدلیں تھیں۔ سانپ یہی کُچھ سوچتا تیزی سے ائیرپورٹ کی طرف دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ اُسے دور ائیرپورٹ سے جہازوں کے انجن سے نکلنے والی تیل کی خاص بُو برابر آ رہی تھی۔

سانپ شہر کی جگمگاتی عمارتوں سے دور ایک غیر آباد علاقے میں نکل آیا۔ یہاں اونچی نیچی زمین پر گھاس اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ سانپ ایک سوکھے نالے کے پُل پر سے گزرا تو اُسے دوسری طرف پتھرّ کی ایک سل زمین میں گڑی ہوئی نظر آئی جس پر سات مُنہ والے سانپ کی تصویر بنی ہوئی

تھی۔ سانپ وہیں رُک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ کس کی تصویر ہے یہ شیش ناگ کی تصویر تھی جو ایک پُرانی داستان کے مطابق آسمانی مخلوق تھا اور جس کے آباؤ اجداد کسی خلائی سیّارے کے تباہ ہو جانے کے بعد اِس زمین پر اُتر آئے تھے۔ شیش ناگ میں اتنی طاقت تھی کہ وہ کسی بھی خلائی مخلوق کا حال بتا سکتا تھا اور گُمشدہ آدمیوں کی بھی خبر دے سکتا تھا۔ سانپ وہیں رُک گیا۔

وہ پتھرّ کے پاس آیا اور شیش ناگ کی تصویر پر اپنی دونوں آنکھیں جما دیں اور پھر زور سے سانس کھینچ کر پھنکار ماری اور کہا :

"شیش ناگ! تُم جانتے ہو میں کون ہوں مگر یہ نہیں جانتے کہ میں تُم سے کیا پوچھنا چاہتا ہوں۔ تُم جہاں بھی ہو یہاں آؤ اور میرے سوال کا جواب دو۔"

اُسی وقت شیش ناگ سامنے آ گیا اور سر جھُکا کر ادب سے بولا۔ "سانپوں

کے عظیم بادشاہ! کیا حُکم ہے۔"

سانپ نے کہا۔ "مُجھے عمران اور شیبا کی تلاش ہے۔ وہ مُجھ سے بچھڑ گئے ہیں۔"

پھر سانپ نے شیش ناگ کو ساری داستان سُنا دی۔ شیش ناگ نے آسمان پر چمکتے ستاروں پر ایک نگاہ ڈالی اور سانپوں کے بادشاہ سے کہا۔ "عمران اور شیبا کو تو خلائی مخلوق اپنے سیّارے پر لے گئی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اوٹان سیّارے کے ایک مینار میں بند ہیں اور اگر ان کی مدد کو کوئی نہ پہنچا تو وہ قیامت تک زمین پر اپنی دُنیا میں واپس نہ آئیں گے۔"

سانپ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ عمران، شیبا کو خلائی لوگ اغوا کر کے لے جا چکے ہیں۔ اس نے پوچھا:

"یہ دیکھ کر بتاؤ کہ اس خلائی مخلوق کی کوئی اُڑن تشتری زمین پر کسی جگہ موجود ہے۔"

شیش ناگ نے چاروں طرف اپنی سات مُنہ والی گردن گھمائی اور پھر کہنے لگا:

"عظیم بادشاہ! مجھے اس وقت زمین پر کسی جگہ بھی کوئی خلائی اُڑن تشتری نظر نہیں آرہی۔ مگر میں نے ایک بڑی خطرناک بات دیکھی ہے۔"

"وہ کیا، جلدی بتاؤ۔" ناگ سانپ نے کہا۔

شیش ناگ بولا۔

"وہ یہ کہ موت تمہارے پیچھے کھڑی ہے۔"

یہ کہہ کر شیش ناگ غائب ہوگیا۔ سانپ نے سوچا کہ شیش ناگ نے یونہی

جاتے جاتے مذاق میں یہ بات کہہ دی ہے۔ کیونکہ موت توسب کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ آخر ایک دِن سب ہی کو اس دُنیا سے جانا ہے۔ ناگ سانپ کو یہ پتا چل گیا تھا کہ عمران اور شیبا اپنی زمین پر نہیں ہیں اور اُنہیں خلائی مخلوق اُٹھا کرا پنے خلائی سیّارے اوٹان میں لے گئی ہے جہاں وہ ایک مینار میں قید کر دیے گئے ہیں۔ وہ سوچنے لگا کہ اب اُسے خلائی سیّارے پر جانے کی کیا ترکیب کرنی چاہیے۔ وہ جانتا تھا کہ اپنے وطن میں قریبی قبرستان کی خارجی کمیں گاہ پر کبھی کبھی رات کو خلائی سیّارے سے اُڑن تشتری اُترا کرتی ہے اُسے اِسی تشتری میں بیٹھ کر خلائی سیّارے تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ سوچ کر سانپ ائیر پورٹ کی طرف چلا۔ وہ کسی جہاز پر سوار ہو کر اس ملک سے نکل کر اپنے وطن واپس جانا چاہتا تھا۔

آدھ گھنٹے بعد سانپ ائیر پورٹ پر پہنچ گیا۔ ائیر پورٹ روشنیوں سے چمک

رہا تھا۔ سانپ نے سوچا کہ اسے رن وے پر کھڑے جہازوں کے پاس جا کر یہ معلوم کرنا ہے کہ اس براعظم جنوبی امریکا سے یورپ کی طرف کون سا جہاز جانے والا ہے۔ وہاں سے وہ اپنے وطن کے جہاز میں سوار ہو سکتا تھا۔ سانپ جنگلے کو پار کر کے رن وے کی طرف آیا۔ رن وے پر بلب جل رہے تھے۔ وہ رن وے کراس کر کے دوسری طرف جانا چاہتا تھا۔ جوں ہی وہ رن وے کو پار کرنے کے لیے آگے بڑھا پیچھے سے ایک تیز رفتار ٹرک آیا اور اس سے پیشتر کہ سانپ واپس بھاگتا ٹرک کے بھاری پہیے اس کے اُوپر سے گزر گئے۔ سانپ کو یاد آ گیا۔ شیش ناگ نے کہا تھا موت تمہارے پاس کھڑی ہے۔ ناگ سانپ کُچلا گیا۔ اس کا جسم رن وے کے ساتھ چپک گیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ غائب ہو گیا۔

اِس وقت خلائی سیّارے اوٹان میں آدھی رات کا وقت تھا۔ آسمان پر

ستارے انگاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ ڈاکٹر سُلطانہ اپنے پہاڑی والے خلائی مکان میں اپنے کمپیوٹر کے آگے بیٹھی زمین کے کسی وائرلیس اسٹیشن سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ زمین سے اُس کے لیے کوئی مدد نہیں آ سکتی مگر رابطہ پیدا کر کے وہ زمین والوں کو کم از کم یہ ضرور بتا دینا چاہتی تھی کہ اُسے خلائی مخلوق اپنے سیّارے اوٹان پر لے آئی ہے۔ گریٹ کنگ کے حُکم سے ڈاکٹر سُلطانہ کو یہ کمپیوٹر خاص طور پر دیا گیا تھا کہ وہ اس پر سیّارے کی فضا کا تجزیہ کرتی رہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ فضا میں کسی بیماری کے جراثیم یا کوئی وائرس تو پرورش نہیں پا رہا۔ ڈاکٹر سُلطانہ کا یہ دستور تھا کہ وہ آدھی رات کے وقت کمپیوٹر کھول لیتی اور خاص خاص فریکونسی پر اپنی زمین سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دیتی۔ اس رات بھی وہ اس خیال سے کمپیوٹر کے

سامنے بیٹھی تھی۔ اُس کی اُنگلیاں خلائی کمپیوٹر کے کی بورڈ پر چل رہی تھیں اور اسکرین پر لکیریں اور نقطے اُبھر رہے تھے غائب ہو رہے تھے۔

کمرا خاموش تھا۔ اچانک ڈاکٹر سُلطانہ کو ایسی آواز سُنائی دی جیسے کوئی آہستہ آہستہ کمرے میں چل رہا ہے۔ ڈاکٹر سُلطانہ نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ دیوار کے ساتھ نیلا لیمپ روشن تھا۔ وہ اسے اپنا وہم سمجھ کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ چند سیکنڈ بعد پھر وہی قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ سُلطانہ نے پھر پیچھے دیکھا کمرا خالی پڑا تھا۔

وہ کمپیوٹر کے سامنے سے اُٹھی اور دروازے پر آ گئی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ آسمان پر ستارے دہکتے ہوئے انگارے لگ رہے تھے۔ پہاڑی کے چاروں طرف گہری تاریکی اور سنّاٹا چھایا تھا۔ ڈاکٹر سُلطانہ نے دروازہ بند کیا۔ اندر سے تالا لگایا اور واپس کمپیوٹر کے سامنے آ

کر بیٹھ گئی اور کی بورڈ پر انگلیاں چلانی شروع کر دیں۔ دس بارہ سیکنڈ کے بعد اسے اپنے پیچھے کپڑے کی سرسراہٹ سُنائی دی۔ اس نے جو پلٹ کر دیکھا تو اس پر عجیب سا خوف طاری ہو گیا۔ اس کے سامنے ایک ایسا انسانی جسم کھڑا تھا جس نے سفید کفن لپیٹ رکھا تھا مگر جس کا سر غائب تھا۔ ڈاکٹر سُلطانہ سائنس کی پروفیسر تھی۔ اس نے حوصلہ کر کے پوچھا :

"کون ہو تُم ؟"

سر کٹے جسم نے خرخراتی آواز میں کہا :

"سُلطانہ! میں بہرام قاتل کی روح ہوں۔ یہ لوگ میرا سر کاٹ کر اس سیّارے پر لے آئے ہیں۔ مُجھے اپنے سر کی تلاش ہے۔"

ڈاکٹر سُلطانہ کے بدن میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔

اِس کے بعد کیا ہوا؟

یہ آپ نونہال سائنس فکشن کتاب میں پڑھیے جس کا نام "وہ خلا میں بھٹک گئے" ہے۔